آوازِ دوست

خواجہ شمس الدین عظیمی

انتساب

ان روشن ضمیر ”دوستوں“ کے نام جنہوں نے میری

”آواز“ پر روحانی مشن کے لئے خود کو وقف کر دیا۔

KSARS
www.ksars.org

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلَا اِنَ اَوْلِیاَ ء اللّٰہِ لَا خَوْفُ عَلیِھمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْن۔

اللہ کے دوستوں کی پہچان یہ ہے کہ انہیں دین اور دنیا کی زندگی میں خوف اور غم نہیں ہو تا۔

KSARS

www.ksars.org

فہرست

مذہب اور ہماری نسل 7
آتش بازی 10
ماں 13
امتحان 16
بادشاہی 19
امانت 21
خود فراموشی 23
دعا 26
مائیکرو فلم 28
دولت کے پجاری 30
ستائیس جنوری 33
توانائی 36
پرندے 39
سکون 43
آتش فشاں 45
ایٹم بم 47
من موہنی صورت 50
ریشم کا کیڑا 52
پرواز 54

KSARS
www.ksars.org

روشنیوں کا اسراف 56
مٹی کا شعور 58
میٹھی نیند 60
دادی اماں 62
ننھی منی مخلوق 65
اسرائیل 69
کفران نعمت 72
عورت 74
لہریں 76
قیامت 79
محبوب 81
اللہ میاں 83
تاج الدین باباؒ 86
چڑیا گھر 88
پیوند کاری 90
روزہ 92
غار حرا میں مراقبہ 94
نماز 96
وراثت 98
خلائی تسخیر 100
غلام قومیں 101

www.ksars.org

عدم تحفظ کا احساس 102
روشنی 105
محبت کے گیت 107
شاہکار تصویر 110
تین دوست 113
نورانی چہرے 116
آدم و حوا 119
محاسبہ 122
کیمرہ 125
قلندر بابا اولیاءؒ 127
روحانی آنکھ 130
شعوری دبستان 132
مائی صاحبہ 134
جاودانی زندگی 137
ماضی اور مستقبل 139
خاکی پنجرہ 141
اسٹیم 143
ایجادات 145
بت پرستی 148
ماورائی ڈوریاں 151
مرکزی نقطہ 154

KSARS
www.ksars.org

پیاسی زمین 156

وجدان 159

سیلاب 161

مرشد اور مرید 164

راکھ کا ڈھیر 167

اڑن کھٹولے 169

KSARS
www.ksars.org

مذہب اور ہماری نسل

حضرت عمر کی خدمت میں جب کہ وہ دربار خلافت میں تشریف فرما تھے ایک عورت اپنے بچے کو لیکر آئی اور اس نے کہا۔

''امیر المومنین! میرا بیٹا گڑ زیادہ کھاتا ہے۔ گھر میں گڑ نہیں ہوتا تو ضد کرتا ہے۔ اور مجھے بہت زیادہ پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔''

امیر المومنین حضرت عمرؓ نے چند ساعت غور فرمایا اور کہا۔ ''اپنے بیٹے کو ایک ہفتے کے بعد لے کر آنا۔''

خاتون ایک ہفتے کے بعد پھر آئی۔ حضرت عمرؓ نے بچے کو مخاطب کر کے فرمایا۔

''بیٹے گڑ کم کھایا کرو اور ضد نہ کیا کرو۔ تمہارے اس عمل سے تمہاری ماں پریشان ہوتی ہے۔'' اور بچے کی ماں سے کہا۔ ''اس کو لیجاؤ اب یہ پریشان نہیں کرے گا۔''

حاضرینِ مجلس نے عرض کیا۔

''امیر المومنین! اتنی سی بات کہنے کے لئے آپ نے اس عورت کو ایک ہفتے تک انتظار کی زحمت دی۔ یہ بات آپ پہلے روز بھی فرما سکتے تھے۔''

حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا۔ ''میں خود گڑ زیادہ کھاتا تھا میں نے گڑ کھانا کم سے کم کر دیا۔ اور ایک ہفتے تک اس ترک پر عمل کر کے اس عادت کو پختہ کر لیا۔ پہلے ہی روز اگر میں بچے سے یہ کہتا کہ تم گڑ کم کھایا کرو تو اس کے اوپر میری نصیحت کا اثر نہ ہوتا۔ اب اس کے اوپر اثر ہوگا اور وہ عمل کرے گا۔

بے یقینی، درماندگی، پریشانی اور عدم تحفظ کے اس دور میں جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہر شخص اپنے چھوٹوں اور اپنے احباب کو برائی سے بچنے کی تلقین کرتا ہے اور خود اس پر عمل نہیں کرتا تو ہمارے سامنے یہ بات آجاتی ہے کہ نصیحت کا اثر اس لئے نہیں ہوتا کہ ہم خود بے عمل ہیں۔

ہر طرف یہ شور غوغا برپا ہے کہ موجودہ نسل اسلام سے دور ہو گئی ہے۔ اسلاف کی پیروی نہیں کرتی۔ ہم کیوں نہیں سوچتے کہ موجودہ نسل کے اسلاف میں ہمارا بھی شمار ہے۔

www.ksars.org

موجودہ نسل اگر تعلیماتِ رسول مقبول ﷺ سے دور ہو گئی ہے تو اس میں اس کا قصور کم اور ہمارا زیادہ ہے۔ یہ کون نہیں جانتا کہ جھوٹ بولنا بری بات ہے ناجائز منافع خوری چور بازاری اللہ کے بندوں کی حق تلفی ہے مگر جھوٹ ہماری زندگی میں کامیابی اور کامرانی کا ذریعہ بن گیا ہے۔ قرآن کی متعین کردہ حدود سے زیادہ منافع خوری نے ایک سائنس کا درجہ حاصل کر لیا ہے۔ بچے جب یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے والدین زبان سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات کا پرچار کرتے ہیں اور ان کا عمل اس کے بالکل برعکس ہے تو اس کی ترقی یافتہ ذہن میں اس کے بجز کوئی بات نہیں آتی کہ مذہب صرف اظہار و بیان کا نام ہے۔ عمل سے اس کا کوئی ربط ضبط نہیں۔

دنیا میں افراتفری کا ایک عالم برپا ہے۔ ہر شخص کسی نہ کسی الجھن میں گرفتار ہے ذہنی سکون ختم ہو گیا ہے عدم تحفظ کے احساس سے حزن وملال کے سائے گہرے اور دبیز ہو گئے ہیں۔ اخبارات میں آئے دن حادثات اور انسانوں کی قیمتی جانیں ضائع ہونے کی خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ کبھی فلک بوس عمارتوں کے سرنگوں ہونے اور ان کے نیچے بندگان خدا کے ہلاک ہونے کی دلدوز اور وحشت اثر خبریں ہمارے سامنے آتی ہیں۔

اس سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں ہے کہ ہم آفاتِ ارضی و سماوی کی یلغار کی زد میں ہیں۔ بظاہر ان المناک واقعات کے وقوع پذیر ہونے کی ہم یہ توجیہہ کرتے ہیں کہ تعمیر کنندگان کی ہوس زر کی وجہ سے یہ نوبت آئی ہے یا زمین کے اندر ردوبدل اس کا سبب ہے۔ یہ باتیں بظاہر کتنی ہی معقول اور وزنی ہوں لیکن ایک راسخ العقیدہ مسلمان کی حیثیت سے دیکھا جائے تو فرمان خدوندی کے بموجب انسانی معاشرہ میں آباد لوگوں کے جرائم اور خطاکاریاں ارضی وسماوی آفات اور ہلاکتوں کو دعوت دیتی ہیں۔

جب کوئی قوم قانونِ خداوندی سے انحراف اور گریز کرتی ہے اور خیر و شر کی تفریق کو نظر انداز کر کے قانون شکنی کا ارتکاب کرنے لگتی ہے تو افراد کے یقین کی قوتوں میں اضمحلال شروع ہو جاتا ہے۔ آخر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ یقین کی قوت بالکل معدوم ہو جاتی ہے اور عقائد میں شک اور وسواس در آتے ہیں۔ اس تشکیک اور بے یقینی کی بنا پر قوم توہمات میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ توہماتی قوتوں کے غلبے سے انسان کے اندر طرح طرح کے اندیشے اور وسوسے پیدا ہونے لگتے ہیں جس کا منطقی نتیجہ حرص و ہوس پر منتج ہوتا ہے۔ یہ حرص و ہوس انسان کو اس مقام پر لیجاتی ہے جہاں بے یقینی اور توہماتی قوتیں مکمل طور پر اس کو اپنے شکنجے میں جکڑ لیتی ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں انسان زندگی کی حقیقی مسرتوں سے محروم ہو جاتا ہے اور اس کی حیات کا محور اللہ تعالیٰ کے بجائے ظاہری اور مادی وسائل بن جاتے ہیں اور جب کسی قوم کا انحصار دروبست مادی وسائل پر ہو جاتا ہے تو آفات ارضی و سماوی کا لامتناہی سلسلہ عمل میں آنے لگتا ہے اور بالآخر ایسی قومیں صفحہ ہستی سے مٹ جاتی ہیں۔

www.ksars.org

ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ شک اور بے یقینی کو دماغ میں جگہ دینے سے منع فرماتے ہیں۔ یہ وہی شک اور وسوسہ ہے جس سے آدمؑ کو باز رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔ بالآخر شیطان نے بہکا کر آدم کو شک اور بے یقینی میں گرفتارِ بلا کر دیا جس کے سبب آدمؑ کو جنت کی نعمتوں سے محروم ہونا پڑا۔

KSARS
www.ksars.org

آتش بازی

آیئے! آج کی نشست میں اپنا محاسبہ کریں اور یہ دیکھیں کہ ہمیں اطمینانِ قلب کیوں نصیب نہیں ہے۔ اور عدم تحفظ کا احساس ہمارے اوپر کیوں مسلط ہے۔

جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہر شخص خیالات میں غلطاں و پیچاں، ارد گرد سے بے نیاز چہروں پر غم و آلام کی تصویریں سجائے اپنی دنیا میں مگن ہے تو دل بے قرار ہو جاتا ہے۔ یہاں وہ بھی پریشان ہے جس کے پاس سب کچھ ہے اور وہ بھی دل گرفتہ ہے جس کے پاس کچھ نہیں ہے۔ بیماریوں، پریشانیوں، خود نمائی اور احساس کمتری کے دبیز سایوں نے ہمیں اپنی گرفت میں لیا ہوا ہے۔ غرض جتنے لوگ ہیں ان کے اتنے ہی مسائل ہیں۔ مگر ایک بات سب میں مشترک ہے کہ سکون کسی کو حاصل نہیں ہے۔ سب کے ماتھوں پر بے اطمینانی، عدم تحفظ اور محرومی کی شکنیں پڑی ہوئی ہیں۔ سب شکست خوردہ اور نفرت و حقارت کی تصویر بنے ہوئے ہیں۔ دولت کی ہوس اور معیار زندگی بلند سے بلند ہونے کے تقاضوں نے اولادِ آدم کے لئے دنیا کو دوزخ بنا دیا ہے۔ اقوام عالم میں اقتدار کی ہوس رکھنے والوں نے انسانی فلاح و بہبود کے نام پر اربوں کھربوں روپے آسانی آتش بازی میں تباہ کر دیے جبکہ نوعِ انسانی کی بڑی آبادی بھوک و افلاس کا شکار ہے۔

آج یہ منفی سوچ اتنی زیادہ عام کیوں ہے کہ آدمی ان چیزوں سے خوش نہیں ہوتا۔ جو اسے حاصل ہیں۔ ان خواہشات کے پیچھے کیوں سرگرداں ہے جن کے حصول میں وہ اعتدال کی زندگی سے روگردانی پر مجبور ہے۔ اس کا ایک ہی جواب ہے کہ ہم صبر و استغنا کی نعمت سے محروم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ صابر و شاکر اور مستغنی نہیں ہیں وہ اللہ سے دور ہو جاتے ہیں۔ اللہ سے دوری سکون و عافیت اور اطمینانِ قلب سے محرومی ہے۔ یہ محرومی صبر و استغنا کی لذت سے ناآشنا کر دیتی ہے۔ صبر و استغنا وہ تلوار ہے جس سے ہم مسائل و مشکلات اور عدم تحفظ کی زنجیریں کاٹ کر پھینک سکتے ہیں۔ جب کسی فرد کو صبر و استغناء کی دولت مل جاتی ہے تو اس پر سے مصائب و مشکلات کی گرفت ٹوٹ جاتی ہے اور جب من حیث القوم، صبر و استغنا کسی قوم کے مزاج میں رچ بس جاتا ہے تو معاشرہ سدھر جاتا ہے۔ قومیں حقیقی فلاح و بہبود کے راستوں پر گامزن ہو جاتی ہیں۔

www.ksars.org
KSARS

یاد رکھئے ! سکونِ دل اور خوشی کوئی خارجی شئے نہیں ہے یہ ایک اندرونی کیفیت ہے جب اس اندرونی کیفیت سے ہم وقوف حاصل کر لیتے ہیں تو ہمارے اوپر اطمینان و سکون کی بارش برسنے لگتی ہے۔ بندہ اس ہمہ گیر طرزِ فکر سے آشنا ہو کر مصیبتوں، پریشانیوں اور عذاب ناک زندگی سے رستگاری حاصل کر کے اس حقیقی مسرت و شادمانی سے واقف ہو جاتا ہے جو اس طرز فکر کے حامل بندوں کا حق اور ورثہ ہے۔

آسمانی صحائف اور تمام الہامی کتابوں سے یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالٰی نے یہ کائنات محبت کے ساتھ پیدا کی ہے۔ تخلیقِ کائنات کے فارمولوں پر تفکر کیا جائے تو زندگی کا ہر شعبہ محبت اور خلوص کا پیکر نظر آتا ہے۔ انسان جس کے لئے یہ ساری کائنات بنائی گئی اس کی ساری زندگی ازل تا ابد دو رخوں پر قائم ہے ایک رخ وہ ہے جو انسان کو خالق کائنات سے قریب کرتا ہے اور دوسرا رخ وہ ہے جو بندے کو اپنے خالق سے دور کر دیتا ہے۔

حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں میں چھپا ہوا خزانہ تھا پس میں نے محبت کے ساتھ مخلوق کو پیدا کیا تا کہ میں پہچانا جاؤں۔ یہ بات محلِ نظر ہے کہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کہ میں نے محبت کے ساتھ تخلیق کیا یعنی اللہ تعالٰی کو پہچاننے کا واحد ذریعہ محبت ہے اور اللہ تعالٰی سے دور کرنے والا جذبہ محبت کے خلاف نفرت ہے۔ قرآن پاک کی تعلیمات اور حضور پاک ﷺ کی زندگی نوعِ انسانی کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ انبیاء اکرامؑ کا مشن یہ رہا ہے کہ وہ اللہ کی مخلوق کی ذہنی تربیت اس نہج پر کریں کہ ان کے اندر آپس میں بھائی چارہ ہو، ایثار ہو، خلوص ہو اور وہ ایک دوسرے سے محبت کریں۔

جس معاشرے میں محبت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے وہ معاشرہ ہمیشہ پر سکون رہتا ہے اور جس معاشرے میں بیگانگی اور نفرت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے اس معاشرے کے افراد ذہنی خلفشار اور عدم تحفظ کے احساس میں مبتلا رہتے ہیں۔

محبت سراپا اخلاص ہے۔ نفرت مجسم غیظ و غضب اور انتقام کے خد و خال پر مشتمل ہے۔ غصہ بھی نفرت کی ایک شکل ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے جو لوگ غصہ کو کھاتے اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں اللہ تعالٰی ایسے احسان کرنے والے بندوں سے محبت کرتا ہے۔ نفرت کا ایک پہلو تعصب بھی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص تعصب پر جیا اور مرا وہ مجھ سے نہیں ہے۔ یعنی تعصب کرنے والا کوئی بندہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت سے محروم رہتا ہے۔

محبت کیوں کہ پر سکون زندگی اور اطمینان قلب کا ایک ذریعہ ہے اس لئے کوئی انسان جس کے اندر محبت کی لطیف لہریں دور کرتی ہیں وہ مصائب اور مشکلات اور پیچیدہ بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے اور اس کے چہرے میں ایک خاص کشش پیدا ہو جاتی ہے اس کے برعکس نفرت کی کثیف، شدید اور گرم لہریں انسانی چہرے کو جھلس دیتی ہیں بلکہ اس کے دماغ کو اتنا بوجھل، پریشان اور تاریک کر

www.ksars.org

دیتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت کردہ زندگی میں کام آنے والی لہریں مسموم اور زہریلی ہو جاتی ہیں۔ اس زہر سے انسان طرح طرح کے مسائل اور قسم قسم کی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

نفرت سے پیدا ہونے والے امراض کی اگر تفصیل بیان کی جائے تو وہ بہت ہی بھیانک ہے۔ نفرت سے پیدا ہونے والی سب سے بڑی بدبختی یہ ہے کہ انسان اپنے خالق سے دور ہو جاتا ہے اور یہ دوری اسے اشرف المخلوقات کے دائرے سے نکال کر حیوانیت اور درندگی کی صف میں لا کھڑا کرتی ہے۔ نفرت انسانی چہرہ کو مسخ کر دیتی ہے اور اس جذبہ شیطنت سے آدمی کے اندر جو بیماریاں جنم لیتی ہیں وہ سرطان ہے، بھگندر اور فسچولا ہے اور ایسے لاعلاج متعدد امراض ہیں جن میں گرفتار ہو کر آدمی سسک سسک کر مر جاتا ہے۔

KSARS
www.ksars.org

ماں

یہ فقیر ہر ماہ کسی نہ کسی عنوان سے آپ سے مخاطب ہوتا ہے۔ آج کی نشست میں عامتہ المسلمین کی ذہنی پریشانی، عدم تحفظ کا احساس ،خوف اور مستقبل کی طرف سے مایوسی کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

اداس، غمگیں اور پژمردہ چہرے دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہم ایسے مسافر ہیں جن کی کوئی منزل نہیں ہے۔ جب کہ اسلامی زندگی کے دل کش خدوخال اختیار کر کے ہم اپنے اندر غیر معمولی کشش اور انتہائی جاذبیت پیدا کر سکتے ہیں۔ اہل اسلام ہی نہیں بلکہ دوسری قومیں بھی اسلامی اصولوں کی ضیاپاشیوں سے متاثر ہو کر دینِ مبین کی طرف کھنچنے لگتی ہیں۔ اسلام یقیناً ہوا، پانی اور روشنی کی طرح سارے انسانوں کی عام میراث ہے۔ لیکن محض زبانی طور پر اس کا اقرار کر لینا کافی نہیں ہے اس کے لئے ایثار و عمل کا مظاہرہ کرنا ضروری ہے۔

آج کے ترقی یافتہ دور میں والدین اور بزرگوں کا احترام کم سے کم ہوتا جا رہا ہے۔ اور یہ پہلا قدم ہے جہاں سے اسلامی اخلاقی قدروں میں شکست و ریخت کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی امت کے لئے بالخصوص اور نوع انسانی کے لیے بالعموم ایسے روشن اور واضح اصول مرتب کئے ہیں جن پر عمل کر کے ہم ذہنی کشاکش، اعصابی کشمکش، الجھنوں اور پریشانیوں سے محفوظ و مامون ہو سکتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام گوشت تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک عورت تشریف لائیں حضور ﷺ نے کام چھوڑ کر ان کے لئے چادر بچھائی اور معزز خاتون کو نہایت ادب و احترام کے ساتھ اس چادر پر بٹھایا۔ حضرت ابو طفیل کہتے ہیں میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون برگزیدہ ہستی ہیں؟ وہاں موجود لوگوں نے بتایا یہ بزرگ عورت وہ ماں ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کو دودھ پلایا ہے۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک کے سلسلے میں سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”اور آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا کہ تم خدا کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔“

محسن کی شکر گزاری اور احسان مندی شرافت کا اولین تقاضا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ہمارے وجود کا محسوس سبب ”ماں باپ“ ہیں جن کی پرورش اور نگرانی میں ہم پلتے بڑھتے اور شعور کو پہنچتے ہیں اور جس غیر معمولی قربانی، بے مثال جانفشانی اور انتہائی شفقت و ایثار سے وہ اولاد کی دیکھ بھال اور تربیت کرتے ہیں حق یہ ہے کہ ہمارا دل اُن کی عقیدت و احسان مندی اور عظمت و محبت سے سر

www.ksars.org

شار ہو اور ہمارے جسم کا رُواں رُواں ان کا شکر گزار ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شکر گزاری کے ساتھ ساتھ والدین کی شکر گزاری کی تاکید فرمائی ہے۔

باپ کے دوستوں اور ماں کی سہیلیوں کے ساتھ بھی حسن سلوک اور احترام کا حکم دیا گیا ہے۔ ان کے مشوروں کو قدر و منزلت اور وقعت کی نظر سے دیکھنے کی تاکید کی گئی ہے اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

سب سے زیادہ نیک سلوک یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے دوست کے ساتھ بھلائی کرے۔

ہم ایک لباس بناتے ہیں وہ سوتی کپڑے کا ہو، اون کا ہو یا نائلون کے تاروں کا، مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہم لباس کے ذریعے خود کو چھپائیں اس طرح رُوح نے خود کو پس پردہ رکھنے کے لئے ایک لباس اختراع کیا ہے اور یہ لباس گوشت پوست اور ہڈیوں سے مرکب ہمارا جسم ہے جس طرح جسم کے بغیر لباس کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور نہ ہی لباس کی اپنی کوئی ذاتی حرکت ہے۔ اسی طرح روح کے لباس کی اہمیت اسی وقت تک ہے جب تک روح اس لباس کو اہمیت دیتی ہے۔ ہم کوٹ یا شیروانی زیب تن کرتے ہیں یہ ممکن نہیں ہے کہ کوٹ ہمارے جسم پر ہو اور ہم ہاتھ ہلائیں اور آستینیں نہ ہلے۔ یہ بھی قرین قیاس نہیں ہے کہ کوٹ کو کھونٹی پر لٹکا دیا جائے یا چارپائی پر ڈال دیا جائے تو اس کے اندر اسی طرح حرکت پیدا ہو گی جس طرح جسم کے اوپر رہتے ہوئے ہوتی ہے۔۔۔ لباس کی حیثیت اسی وقت تک ہے جب تک وہ جسم کے اوپر ہے۔ گوشت پوست سے مرکب لباس جسم کے تمام حرکات و سکنات کا دار و مدار اونی یا سوتی لباس کی طرح رُوح کے اوپر ہے۔ رُوح جب تک جسم میں موجود ہے۔ جسم چلتا پھرتا ہے اور اس میں زندگی کے آثار پائے جاتے ہیں ۔رُوح جب اس جسم سے اپنا رشتہ منقطع کر لیتی ہے تو جسم کی حیثیت کھونٹی پر لٹکے ہوئے کوٹ کی ہو جاتی ہے۔

کسی عاقل، بالغ، باشعور آدمی کو اگر یہ معلوم نہ ہو کہ اس کے ماں باپ کون ہیں تو وہ کتنا ہی ذہین اور قابل کیوں نہ ہو اس کے اوپر ایک احساس محرومی مسلط رہتا ہے۔ اور احساس محرومی انسانی زندگی میں اتنا بڑا خلا ہے کہ بالآخر ایسا بندہ دماغی مریض بن جاتا ہے۔ پاگل پن زیادہ ہو یا کم، بہر حال اس کا نام پاگل کے علاوہ کچھ نہیں رکھا جاتا۔ صورت حال یہ ہے کہ ہم اس بات سے تو وقوف رکھتے ہیں کہ ہمارا وجود ہے لیکن اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ ہمارا پیدا کرنے والا کون ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہمیں پیدا کرنے والا اللہ ہے تو یہ ایسی ہی بات ہو گی کہ ہم گوشت پوست کے جسم کو اصل آدمی سمجھتے ہیں جب کہ اس آدمی کی اپنی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہ آدمی رُوح کے تابع ہے اور روح ہماری جسمانی آنکھوں سے چھپی ہوئی ہے۔ محض زبانی طور پر یہ کہہ دینا کہ ہمارا خالق اللہ ہے، اعتراف خالقیت کا تقاضا پورا نہیں کرتا وہ آدمی جس کو کچھ پتہ نہیں کہ اس کے ماں باپ کون ہیں یہی کہتا ہے کہ اسے ماں باپ نے جنم دیا ہے۔ اگر ہم اپنی رُوح سے واقف نہیں ہیں تو اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور ربانیت کا تذکرہ محض مفروضہ حواس پر مبنی ہو گا۔ کتنی ستم ظریفی ہے کہ معاشرے میں ایسے شخص کو کوئی مقام نہیں دیا جاتا جس کے ماں باپ کا کوئی پتا نہ ہو اور ہم اللہ تعالیٰ کا زبانی تذکرہ کر کے خود کو

www.ksars.org

اشرف المخلوقات سمجھتے ہیں۔ اللہ وہ ہے جس کی سماعت سے ہم سنتے ہیں، جس کی بصارت سے ہم دیکھتے ہیں اور جس کے فواد سے ہم سوچتے ہیں اور اس بات کی ضرورت نہیں سمجھتے کہ اس اللہ کو جو ہمیں پیدا کرتا ہے، اپنے خاص کرم و فضل سے ہماری پرورش کرتا ہے ہماری حفاظت کرتا ہے اس کو پہچاننے کی کوشش کریں جب کہ اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ "اور وہ لوگ جو ہمارے لئے جدوجہد کرتے ہیں ہم ان کے اوپر ہدایت کے راستے کھول دیتے ہیں۔"

تمام انبیاءِ اکرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء اللہ کا یہی مشن ہے کہ بندہ جس طرح اپنے والدین سے وقوف رکھتا ہے اسی طرح اپنے خالق کا عرفان حاصل کرے۔

www.ksars.org

امتحان

پریشان حالی اور درماندگی نے ہشت پابن کر نوع انسانی کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ درآنحالے کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں نوع انسانی وہ مخلوق ہے جو اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی حامل ہے جن کے متحمل ہونے سے سماوات، ارض اور جبال نے عاجزی کا اظہار کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق جب کوئی قوم صراط مستقیم سے بھٹک جاتی ہے تو وہ امتحان کی چکی میں پسنے لگتی ہے تاکہ صعوبتوں، پریشانیوں اور عدم تحفظ کے زہریلے احساس سے محفوظ رہنے کے لئے وہ راستہ تلاش کرلے جو فلاح اور سلامتی کا راستہ ہے۔

یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے۔ یہاں ہر ایک کسی نہ کسی امتحان میں دانستہ یا نادانستہ مصروف عمل ہے مقصد یہ ہے کہ آدمی امتحان میں کامیاب ہو کر اپنی زندگی کا کوئی رخ متعین کرلے۔ کوئی دولت مند ہے کوئی غریب نادار اور بیمار ہے اور کوئی ایسا بھی بدبخت ہے جس کے ذہن میں بزرگوں اور ماں باپ کی عزت و توقیر نہیں۔ یہ سب باتیں امتحان کا درجہ رکھتی ہیں۔

کائنات کی تخلیق دو رخوں پر کی گئی ہے ایک رخ سے دوسرا رخ ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ میں قدم رکھنا ایک امتحان ہے۔ آپ ذرا اس بچے کا تصور تو کیجئے جو کمرۂ امتحان میں بیٹھ کر جب پرچہ سامنے آئے تو بجائے پرچہ حل کرنے کے رونا شروع کر دے، فریاد کرنے لگے اور احتجاج کرے کہ میرا امتحان کیوں ہو رہا ہے۔

نشوونما اور انسانیت کی فلاح و ترقی کندن ہوئے بغیر ممکن نہیں ہے۔ امتحان کی بھٹیوں سے گزر کر ہی سونا کندن بنتا ہے۔

نوع انسان ان بھٹیوں سے نہ گزری ہوتی تو آج بھی لوگ غاروں کے مکیں ہوتے۔

کوئی مسئلہ اس وقت تک قابل حل نہیں ہے جب تک صاحب مسئلہ خود اس مسئلے کو حل کرنے پر آمادہ نہ ہو۔ ساری دعائیں، وظیفے اور دوائیں صرف ایک ہی کام انجام دیتی ہیں وہ یہ کہ سائل بیمار ہو یا پریشان حال اس کے اندر قوت ارادی میں اضافہ ہو اور اس کے اندر اتنی ول پاور (خوداعتمادی) پیدا ہو جائے کہ وہ مسائل و معاملات کی بھول بھلیوں سے نکل کر ذہنی یکسوئی کے ساتھ آزاد ہو سکے۔

دنیا میں جتنے عظیم لوگ پیدا ہوئے ہیں وہ بھی کسی نہ کسی مسئلے سے دوچار رہے ہیں لیکن وہ اس نقطے سے باخبر ہوتے ہیں کہ مسائل اس وقت تک مسائل ہیں جب تک انسان ذہنی یکسوئی اور سکون کی زندگی سے ناآشنا ہے۔ ان لوگوں کے اوپر سے مسائل و تکالیف کی گرفت ٹوٹ جاتی ہے جو اللہ کی مخلوق کی خدمت کو اپنی زندگی کا نصیب العین بنا لیتے ہیں کسی ایسے شخص کی خدمت کیجئے جو نادار

www.ksars.org

ہے، ضرورت مند ہے پھر دیکھئے کہ آپ کو کتنا سکون ملتا ہے دوسروں کی مدد کرنا اور ان کے کام آنا انسانیت کی معراج ہے اور یہی وہ مشن ہے جس کو عام کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے ہیں جن کا پیغام ہے:

''اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا مثل بنایا ہے۔ اور انسانیت کی خدمت اللہ کی خدمت ہے۔''

ہستی کے مت فریب میں آ جائیو اسد

عالم تمام حلقہ دام خیال ہے

زندگی کی چھان بین کرنے سے ایک ہی بات سامنے آتی ہے کہ آدمی کی تصویر مختلف النّوع خیالات کے رنگوں سے مرکب ہے۔ خیال ہمیں مسرت آگیں سے قریب کرتا ہے اور یہی خیال ہمیں غم ناک زندگی سے آشنا کر دیتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سائنس ترقی کے عروج پر پہنچ گئی ہے۔ لیکن آج کے سائنسداں وہی کہہ رہے ہیں جو ہزاروں سال پہلے روحانیت کے علم بردار کہہ چکے ہیں اور جس کا پرچار آج بھی ان کے پیروکار حضرات مشن ہے۔۔۔ وہ یہ کہ مادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ زندگی کا قیام لہروں پر ہے اور لہریں خیالات کا جامہ پہن کر ہر شئے کا وجود بن رہی ہیں۔ مادے سے بنی ہوئی تصویروں میں ہمیں جو کچھ نظر آتا ہے وہ مفروضہ اور محض فریب نظر آتا ہے۔

نوع انسان کے نجات دہندہ، محسن انسانیت حضور رحمتہ للعالمین ﷺ نے چودہ سو سال پہلے اس کی عقدہ کشائی اللہ کے کلام میں اس طرح فرمائی ہے اللہ نور سمٰوات ولارض "اللہ آسمانوں اور زمین کی روشنی (لہر) ہے"۔

آدمی جو خود کو اشرف المخلوقات کہتا اور سمجھتا ہے اگر اپنی ابتدا اور انتہاء پر غور کرے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس تعمیر کی پہلی اینٹ سڑاند اور تعفن سے بنی ہے۔ اور انتہاء یہ ہے کہ اس کا خوبصورت جسم کیڑوں کی خوراک بن جاتا ہے۔ باوجود اس واضح اور کھلی حقیقت کے کتنے لوگ ہیں جو اپنی ابتداء اور انتہاء پر غور کرتے ہیں؟ تخیل کی پرواز کا مطالعہ کیا جائے تو نظر آتا ہے کہ ہر شخص ذاتی منفعت کی خیالی دنیا میں مگن ہے۔ ایک ہی خیال اس کی طلب اور مقصد حیات بن گیا ہے۔ دولت۔ دولت اور صرف دولت۔ وہ دولت جو بذاتہ ایک ایسی لاانتہاء دلدل ہے جس میں گر کر کوئی آدمی اشرف حواس میں زندہ نہیں رہ سکتا۔

جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کر ڈالتے ایسے لوگ بالآخر دردناک عذاب میں مبتلا رہتے ہیں۔ دو لت کا حصول بری بات نہیں ہے المیہ یہ ہے کہ ہم نے سب کچھ دولت ہی کو سمجھ لیا ہے اور اس سے پیدا ہونے والی خرابیوں کا زہر معاشرے کی رگوں میں خون کی طرح دوڑ رہا ہے یہی وجہ ہے کہ آج ہم سکون کے ایک لمحے کو بھی ترستے ہیں اور عدم تحفظ کا

www.ksars.org

احساس ہمارے اوپر مسلط ہے۔ رشتوں کے تقدس پر دولت کی چھاپ لگ گئی ہے ایک دوڑ ہے جو ہمیں حوس پر ستی کے خیالی گھوڑے پر آگ کی طرف دھکیل رہی ہے۔

ہر زمانے میں عقل مندوں نے ہوس زر کی مخالفت کی ہے۔ قرآن نے اسے حطمہ کہا ہے جس کی آگ ستون کی مانند دلوں پر چڑھ جا تی ہے۔ اور آدمی کو بھسم کر ڈالتی ہے۔ جو دولت ''حطمہ '' نہیں ہے وہ روشن سورج، تاروں بھری رات، چاند کی ٹھنڈک، عطر بیز ہوائیں، اور ایک پر سکون دل ہے جس میں طمع اور لالچ نہیں ہوتا جو جھوٹ سے بچتا ہے۔ جس میں دوسروں کے کام آنے کا جذبہ بھی کار فرما ہوتا ہے اور جو اللہ کی مخلوق کے لئے زندہ رہنے کی تمنا کرتا ہے۔ ایسے ہی صاحب دل لوگ ہیں جن کو اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے اور ان کی تخلیقی سوچ اللہ کی سوچ ہوتی ہے ان کی نظر میں سب اپنے ہوتے ہیں۔ انہیں سب میں اللہ کا نور نظر آتا ہے ۔ان کی زندگی ایسے روشن اور پاکیزہ خیالات کا مرقع ہے جن میں کوئی کثافت نہیں ہوتی۔ لالچ اور گمراہی کے عقوبت خانوں کے دروازے ان کے اوپر بند ہو جاتے ہیں۔ ان کی زندگی میں ایسی حلاوت ہوتی ہے جیسی حلاوت شیر خوار بچے کو ماں کی گود میں ملتی ہے ۔ آپ ذرا لالچ اور طمع اور ہوس زر کی بندشوں کو توڑ کر تو دیکھیں کتنا سکون ملتا ہے۔ دنیا کا کوئی آدمی برا نہیں ہوتا۔ خیالات اچھے یا برے ہوتے ہیں آپ کے پاس اگر دولت ہے اسے اللہ کی راہ میں سسکتی، روتی اور کراہتی ہوئی انسانیت پر خرچ کیجئے۔ جو کچھ آپ کے پاس ہے اس پر شکر بجالایئے۔ جو نہیں ہے اس پر کڑھئے نہیں۔ احساس کمتری سے خود کو دور رکھئے۔ قدر و منزلت، شرافت و نجابت کا معیار دولت نہیں ہر آدمی کے پاکیزہ اور زندہ خیالات ہیں۔

*****

www.ksars.org

بادشاہی

میں چاہتا ہوں کہ آپ کو وہ گر بتادوں جس سے اسفل آدمی اشرف المخلوقات بن کر اللہ تعالیٰ کی بادشاہی میں قدم رکھ دیتا ہے اور اس کی مداومت سے بالآخر وہ اللہ کی بادشاہی میں ایک رکن کی حیثیت اختیار کرلیتا ہے۔

آپ نے کبھی غور کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کیا کام کرتے ہیں؟

اللہ بحیثیت خالق کے ہر وقت، ہر لمحہ اور ہر آن اپنی مخلوق کی خدمت کر رہا ہے۔ پیدائش سے موت تک کی زندگی کا احاطہ کیا جائے تو یہی نظر آتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں، پیدائش کے بعد ایام رضاعت (بچپن) میں، لڑکپن، جوانی اور بڑھاپے میں اللہ تعالیٰ وہ تمام ضروریات اور وسائل فراہم کرتے ہیں جن کی آدمی کو ضرورت ہو۔ ہوا ہو، سورج کی روشنی ہو، چاند کی چاندنی ہو یا زمین کے اندر وسائل پیدا کرنے کی صلاحیت ہو، ایک مرکز اور ایک قانون کے تحت آدمی کی خدمت گزاری ان کی ذمہ داری ہے۔ خدمت کا یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص نظام اور قانون کے تحت قائم و دائم ہے ایسا قانون جو اللہ تعالیٰ نے خود بنایا ہے اور خود اس کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔

یہ بات ہمارے مشاہدے میں ہے کہ جب ہم کسی سے قربت چاہتے ہیں تو اس کی عادات و اطوار اختیار کر لیتے ہیں۔ آپ کسی نمازی سے دوستی کرنا چاہتے ہیں تو آپ نمازی بن جاتے ہیں۔ کسی تاش کھیلنے والے سے دوستی قائم کرنا چاہتے ہیں تو تاش کھیلنا شروع کر دیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ہم شیطان سے قربت کے خوگر ہیں تو شیطان کے اوصاف پسند کرتے ہیں اور اگر ہم رحمان سے قربت چاہتے ہیں تو رحمان کی عادت وصفات اختیار کرتے ہیں۔ اور رحمان کی عادت یہ ہے کہ وہ اپنی مخلوق کی خدمت میں ہمہ وقت مصروف ہے۔

پس اگر آپ اللہ، اپنے خالق سے متعارف ہو کر اس کی قربت اختیار کر کے کائنات پر اپنی حاکمیت قائم کرنا چاہتے ہیں تو اللہ کی مخلوق کی خدمت کو اپنا شعار بنالیجئے۔ بلاشبہ اللہ کی مخلوق سے محبت رکھنے والے لوگ اللہ کے دوست ہیں اور دوست پر دوست کی نوازشات واکرامات کی ہمیشہ بارش برستی ہے۔

ترجمہ: یہ بڑائی اللہ کی ہے، دیتا ہے جس کو چاہے، اور اللہ کا فضل بڑا ہے۔ (القرآن)

www.ksars.org
KSARS

آج تک نوع انسانی نے جو تہذیبی پیش رفت کی ہے اس کا ایک اہم پہلو تاریخ کے حوالے سے حال کی صورت گری اور مستقبل کی نشاندہی ہے۔ مروجہ تمام علوم کسی نہ کسی جہت سے انسان کے حال کو بہتر بنانے اور یقینی مستقبل کی ضمانت فراہم کرنے کی جدوجہد میں اپنا اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ تاریخ کا علم سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

آج ہم جانتے ہیں کہ ہم سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ تہذیبیں اسی زمین پر ظاہر ہوئیں اور پھر معدوم ہو گئیں کہ صرف آثار باقی رہ گئے۔ تباہ ہونے والی ان قوموں کا تذکرہ صرف زمانہ قبل از تاریخ پر کی جانے والی تحقیق میں ہی نہیں ملتا بلکہ نوع انسانی کی مربوط و مسلسل تاریخ ایسی بے شمار مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

جب ہم ان عوامل کا کھوج لگاتے ہیں جو ان قوموں کی مکمل تباہی میں کار فرما ہیں تو ہمارے سامنے یہ بات کھل کر آجاتی ہے کہ جن قوموں کا رشتہ دنیا سے مستحکم اور اپنی رُوح سے کمزور ہو گیا یا بالآخر ان کے اوپر حرص و طمع اور لالچ غالب آ گیا۔ ایسی قوموں کا مقصدِ زندگی صرف اور صرف دنیا کا حصول بن جاتا ہے اور کبھی نہ ختم ہونے والی حرص و ہوس کی دوڑ میں پورا معاشرہ اس طرح گرفتار بلا ہو جاتا ہے کہ کوئی صورت باہر نکلنے کی باقی نہیں رہ جاتی۔ شرافت و نجابت، تقویٰ و پاکیزگی کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے جس کے گھر میں مال و دولت کے انبار ہیں اور جس کے پاس آسائش و آرام کا ضروری غیر ضروری سامان موجود ہے اور وہ معاشرہ میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جبکہ اس بات سے ایک فرد واحد بھی انکار نہیں کر سکتا کہ یہ سب عارضی اور مفروضہ ہے اور آخر کار سب کچھ چھوڑ دینے پر ہر شخص مجبور ہے کوئی چیز اس کے ساتھ نہیں جاتی اور جو چیز اس کے ساتھ جاتی ہے جس سے وہ دوسری دنیا میں آرام و سکون حاصل کر سکتا ہے، اس سے وہ تہی دامن جاتا ہے۔ دنیا میں ایسے بندے کو جس کے پاس آخرت کے لئے کوئی اثاثہ نہیں ہوتا مصائب و آلام اس طرح گھیر لیتے ہیں کہ زندگی دشوار ہو جاتی ہے۔ رنج و غم ہیبت ناک شکلیں اختیار کر کے اس کو مردہ بدست زندہ بنا دیتے ہیں۔ جب یہ صورت حال انفرادی سطح سے بڑھ کر اجتماعی ہو جاتی ہے تو قومیں تباہ و برباد کر دی جاتی ہیں یا پھر ان کے چہرے مسخ ہو جاتے ہیں۔

دنیا کی محبت ان کو بزدل بنا دیتی ہے۔ وہ موت جیسی حقیقی زندگی سے خوف زدہ رہنے لگتے ہیں۔ نفس پرستی، عیاشی، پراگندگی، فتنہ انگیزی ظلم و ستم عام ہو جاتا ہے۔ دوسری قومیں طرح طرح کے جال بچھا کر اور مال و زر کے لالچ میں مبتلا کر کے ان کم ہمت قوموں کے وجود کو ختم کر دیتی ہیں۔

*****

www.ksars.org

امانت

دوستو ساتھیو!

ہم سب ایک دوسرے کی دعاؤں کے محتاج جس قدر آج ہیں، شاید اس سے پہلے احتیاج کی یہ صورت نہ رہی ہو۔ ہر گھر میں ہر فرد مضطرب اور بے چین ہے۔ کبھی آپ نے یہ سوچا بھی ہے کہ آخر ایسا کیوں ہے؟ جب اخلاقی اقدار ٹوٹ کر بکھر جاتی ہیں اور آدمی اپنی روح سے دور ہو جاتا ہے تو اس کے اوپر مادیت کا خول غالب آجاتا ہے۔ مادہ کیا ہے؟ عناصر کا ایسا مجموعہ جس کی فطرت میں ہر آن اور ہر لمحہ تغیر پذیری ہے۔ کبھی آپ نے مادہ کو ایک حال پر قائم دیکھا۔ مادہ (Matter) کی تخلیق کا منشاء ہی یہ ہے کہ اس میں ردوبدل ہوتا رہے۔ جس چیز میں زیادہ ردوبدل ہوتا ہے وہ اتنی ہی زیادہ حقیقت سے دور ہوتی ہے۔ حقیقت میں کبھی تغیر نہیں ہوتا۔ وہ قائم بالذات ہے جو چیز قائم بالذات ہے وہ نشیب و فراز اور حالات کے تغیر سے متاثر نہیں ہوتی۔ انسان کیا ہے، رُوح ہے۔ روح کیا ہے، روح اللہ کا امر ہے۔ اللہ کا امر کیا ہے، اللہ کا امر اللہ کا ارادہ ہے۔ اللہ کا ارادہ کیا ہے، اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ جب وہ کسی شئے کو تخلیق کرنا چاہتا ہے تو کہتا ہے ہو اور وہ ہو جاتی ہے۔

ذرا بھی تفکر سے کام لیا جائے تو یہ بات سورج کی طرح روشن ہے کہ ہم بحیثیت مجموعی اور بحیثیت فرد رُوح ہیں۔ رُوح اللہ کا امر ہے ۔اللہ کا امر اللہ کا ارادہ ہے اور اللہ کا ارادہ جب حرکت میں آجاتا ہے تو کائنات کے مظاہر چھپنے لگتے ہیں۔ اتنی تعداد میں چھپتے ہیں کہ دنیا کی شماریات عاجز ہیں۔

اب جب ہم اپنے ماحول اپنے گھر کے ماحول، غم آشنا زندگی، صعوبت سے پر حالات، پیچیدہ اور علم ناک خیالات، الجھے ہوئے اور از کار رفتہ تصورات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمارے سامنے صرف اور صرف ایک ہی بات آتی ہے کہ ہم نے اپنی زندگی کو ایک مادی خول میں قید کر لیا ہے۔ رُوح سے اپنا رشتہ تقریباً منقطع کر چکے ہیں۔ کتنی بدنصیب ہے نوع انسان کہ سب کچھ پاس ہوتے ہوئے بھی مفلس و قلاش ہے، تہی دست اور تنگ ظرف ہے کہ آنکھیں ہوتے ہوئے بھی اندھی ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ مادہ (MATTER) سے محض عارضی رشتہ ہے، اسی کو مقصدِ زندگی قرار دے لیا ہے۔

یہ کون نہیں جانتا کہ وقت مقررہ کے بعد بہر حال بیک بنی ودو گوش اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے اور مادہ سے بنے ہوئے آسائش و آرام کے سارے سامان ہم سے جبراً اپنا رشتہ منقطع کر لیتے ہیں۔

اے آدم زاد! تیرے لئے قدرت اتنی رحیم و کریم ہے کہ اس نے ہر موڑ پر تیرے لئے معافی کے دروازے کھول دیئے اور تجھے اپنے دامن عافیت میں لینے کے لئے ایک لاکھ چوبیں ہزار پیغمبر بھیجے۔۔۔ اے کاش تو سوچتا کہ تو نے کیا کھویا ہے کیا پایا ہے۔

www.ksars.org

اے آدم و حوا کی نافرمان اولاد ! تو نافرمانی کے اس گندے تالاب میں غرقِ آب ہے جہاں دنیا اور دین کا خسارہ ہے۔ بلاشبہ یہ ایسا خسارہ ہے جو انسانی بد نصیبی کا مکروہ داغ ہے۔

دوستو ساتھیو !

آؤ، اپنی اس میراث کو تلاش کریں جس کے متحمل سمٰوت اور ارض اور پہاڑ بھی نہیں ہو سکے۔ وہ میراث جس کے سامنے آسمان، زمین، ستارے، شمس و قمر سب مسخر ہیں۔

یہ امانت، مادہّ کے خول سے ماورا، ہماری روح کے اندر موجود ہے۔

*****

www.ksars.org

خود فراموشی

ہم کیا تھے، کیا ہیں اور کیوں ہیں۔؟

یہ ایسے سوالات ہیں جو ہر ذی فہم اور باشعور آدمی کے ذہن میں گشت کرتے رہتے ہیں۔اور جب اُن کا شافی اور کافی جواب نہیں ملتا تو بہت سے لوگ گم کردہ راہ ہو جاتے ہیں۔کچھ نہ سمجھنے کی پاداش میں نہ صرف یہ کہ خود فراموشی ان کے اوپر مسلط ہو جاتی ہے، وہ اس ہستی کی بھی نفی کر دیتے ہیں جو اس سارے کارخانے کی مشینوں کے ایک ایک پرزے کو حیات (Energy) بخش رہی ہے۔ وہ لا زوال ہستی جو ایک قطرہ خون کو اتنا طاقتور اور عقل و شعور سے آراستہ و پیراستہ کر دیتی ہے کہ خلا اس کی گرفت میں آجاتا ہے، ستاروں پر کمند ڈالنا اس کے لئے کھیل بن جاتا ہے۔یہی قطرہ خون جب چاہتا ہے تو ایک ناقابل تذکرہ ذرہ کو اتنی اہمیت دے دیتا ہے کہ ایک ذرے کی قیمت لاکھوں جیتے جاگتے آدمیوں سے زیادہ ہو جاتی ہے۔

اور جب تعمیری شعور بروئے کار آتا ہے تو یہی ایک قطرہ پھیل کر آسمانوں کی رفعت سے بھی اونچا اور سربلند بن جاتا ہے، کائنات اس کے لئے مسخر ہو جاتی ہے اور یہ فرشتوں کا مسجود قرار پاتا ہے۔ تعمیر و تخریب کے اس دورخ پہلو میں بھی ذرہ بے مقدار اسفل میں گر تا ہے تو اخلاقیات کی تمام حدبندیاں ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں۔ حرص و حوس اور معیارِ زندگی کا عفریت اس کی کمزوری بن جاتا ہے۔ ہر اس کام میں اس کا ذہن مرکوز ہو جاتا ہے جو اخلاقی دائرے سے باہر ہے۔ایسی ایسی اختراعات وایجادات ذہن میں آتی ہیں جو ابلیسیت کا شاہکار ہوتی ہیں۔اور دماغ کی تمام تعمیری صلاحیتیں تخریب کا لباس پہن کر اللہ کی زمین پر فساد برپا کر دیتی ہیں۔

بلاشبہ آج کا دور اس کا بّین ثبوت ہے۔ کس قدر المناک ہے یہ بات کہ رمضان المبارک کے مہینے میں روزانہ ایسی خبریں سامنے آتی رہیں کہ لگتا ہے کہ ہم معاشرے کے ٹھکرائے ہوئے اور کچلے ہوئے افراد ہیں۔اور جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ معاشرے کی زبوں حالی میں ہمارے نونہال ملوث ہیں تو دل میں ایک ہوک سی اٹھتی ہے اور یہ آواز ابھرتی ہے کہ یہ سب اس لئے ہو رہا ہے کہ ہم نے اپنی تعلیمات سے منہ موڑ لیا ہے۔ ہم نہیں سوچتے کہ وہ کونسی تعلیم ہے جس کے حاصل ہونے کے بعد انسان کو سکون ملتا ہے، راحت ملتی ہے اور سرشاری اس کے انگ انگ میں جذب ہو جاتی ہے۔

وہ کون سی زندگی ہے جس کے حامل کو عدم تحفظ کا احساس نہیں ہوتا اور وہ احساس کمتری کے بھیانک تاثرات سے محفوظ و مامون رہتا ہے۔اسکے اوپر کسی قسم کا خوف نہیں ہوتا اور نہ وہ خود کو غم و آلام کی دبیز چادر میں لپٹا ہوا محسوس کرتا ہے۔

www.ksars.org

پریشانی یہ ہے، موجودہ نسل اتنی باشعور ہو چکی ہے کہ اس کے لئے کوئی بات اس وقت قابل قبول ہے جب اسے فطرت کے مطابق پیش کیا جائے۔ سائنس کی ترقی نے انسانی شعور کو بڑی حد تک بالغ کر دیا ہے۔ ہماری نسل کے بالغ اور باشعور افراد جب اپنے اسلاف کے ورثۂ علم کو فطری قوانین اور سائنسی توجیہات کے مطابق سمجھنا چاہتے ہیں تو انہیں یہ کہہ کر خاموش کر دیا جاتا ہے کہ مذہب چوں چرا نہیں چاہتا حالانکہ قرآن کریم ہر ہر قدم پر تفکر کی کھلی دعوت دے رہا ہے۔ دوسری طرف جب وہ اپنے ان بزرگوں کی زندگی کا مشاہدہ اور تجزیہ کرتے ہیں جن کے کندھوں پر تربیت کی ذمہ داری ہے تو یہ دیکھ کر وہ شدید احساسِ محرومی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ قال اور حال میں ایک حد قائم ہے۔ اس طرح وہ کبیدہ خاطر ہو کر وہ رنگ اختیار کر لیتے ہیں جو ہمارے حق آشنا بزرگوں سے ہم آہنگ نہیں ہوتا۔ ہم بحیثیت بزرگ بار بار اعلان کرتے ہیں کہ نوجوان نسل کے ذہنوں سے بزرگوں کے لیے ادب واحترام اٹھ گیا ہے۔ ان کے اندر وہ اخوت و محبت نہیں رہی جس کے اوپر ایک مثالی معاشرہ تعمیر کیا جاتا ہے۔

خدارا! اپنے گریبان میں منہ ڈالئے یہ بھی تو دیکھئے کہ ہمارے قول و فعل میں کتنا تضاد واقع ہو چکا ہے۔ اس کے باوجود کہ ہم اپنا اختیار استعمال کر کے اس منافقانہ زندگی کو بدل سکتے ہیں، ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے ہیں۔ ہم جو کچھ خود نہیں کر سکتے اس کی توقع اپنی اولاد سے کیوں کرتے ہیں۔ آج اگر ایک باپ جھوٹ کے ملمع شدہ زندگی میں قید ہے تو وہ اولاد سے کیوں کر توقع کر سکتا ہے کہ وہ سچی اور حق آشنا زندگی گزارے گی۔

ہمارا حوصلہ کم ہے۔ ہم ہیرا پھیری کر کے چوری کرتے ہیں۔ نوجوان خون اس منافقانہ طرز عمل کو مہمیز دیتا ہے اور مسجد میں تراویح پڑھنے والوں کی گاڑیاں چرا لیتا ہے اور کسی قتل میں ملوث ہو جاتا ہے تو ہم شور کرتے ہیں نوجوان نسل بے راہ ہو گئی ہے۔ ہمارے بچے ماں کے پیٹ سے قاتل، چور، ذخیرہ اندوز، منافق، اسمگلر پیدا نہیں ہوتے انہوں نے اپنے بزرگوں کو جو کچھ کرتے دیکھا ہے، ترقی دے کر اسے فن بنا دیا ہے۔ اخبارات کے پورے پورے کالم اور کئی کئی سو صفحات کی کتابیں لکھی جا رہی ہیں کہ اس سے نوجوان نسل کی اصلاح مقصود ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ رشد و ہدایت کے ان طوفان خیز دعووں کے ساتھ اگر نوجوان نسل کے بڑوں نے اپنی اصلاح نہیں کی تو حالات نہیں سدھریں گے۔ ہم یہ بات کیوں بھول رہے ہیں کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کا ذہن سادہ ورق کی طرح ہوتا ہے۔ وہ وہی عادت و اطوار اختیار کرتا ہے جو ماحول میں رائج ہیں۔ ایک فرد واحد بھی اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ بچہ وہی زبان بولتا ہے جو اس کے ماں باپ بولتے ہیں۔

ماحول کو سنوارنے اور سدھارنے کے لئے یہ امر لازم ہے کہ ہم پہلے اپنی اصلاح کریں۔ اپنے قول و فعل اور کردار سے یہ ثابت کر دیں کہ ہم معاشرے کے ان افراد میں سے ہیں جو ہدایت یافتہ اور صراط مستقیم پر گامزن ہیں۔ دراصل ہمارے نونہال من حیث القوم ہمارے کردار کی منہ بولتی تصویر ہیں۔

www.ksars.org

پاک و بلند مرتبہ ہے وہ ذات جس نے ہمیں معین مقداروں کے ساتھ تخلیق کیا اور ان مقداروں کو ان اوصاف حمیدہ سے زینت بخشی جو بحیثیت خلق کل اسے پسند ہے۔ وہی ہے جس نے ہمیں برگزیدہ گروہ میں شامل کیا جس سے وہ خوش ہوا اور ہمیں توفیق دی کہ ہم اپنے رب کو پکاریں اور روزہ رکھیں وہ روزہ جس کی جزا خود اللہ ہے۔

سعید ہیں وہ لوگ جنہوں نے رمضان المبارک کی سعادتوں کو حاصل کیا۔ دن میں اور رات میں حضور قلب سے اللہ کی طرف متوجہ رہے اپنے بھائیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے اور ان کی خدمت انجام دی۔

*****

KSARS
www.ksars.org

دعا

سائنس کا یہ نظریہ اتنا عام ہو چکا ہے کہ ابتدائی کلاسوں کے طالب علم کسی بچہ سے بھی اگر استفسار کیا جائے تو وہ بر ملا کہے گا: ہر بات، ہر عمل، ہر کردار انتہاء یہ ہے کہ ہماری آواز ہماری زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ فضا میں لہروں کے دوش پر محوِ پرواز رہتا ہے۔ اگر ہم کسی طرح آواز کے قطر کو سولہ سو قطر (Wave Length) سے زیادہ یا چار سو قطر سے کم کرنے پر قادر ہو جائیں تو ہم ہزاروں لاکھوں سال پہلے گزرے ہوئے اپنے اسلاف کی آوازیں سن سکتے ہیں اور ان تک اپنی آرزو اور تمنائیں پہنچا سکتے ہیں۔ دعا بھی ایک آرزو اور تمنا ہے۔ اس کا منتہا وہ ذات اقدس و اکبر ہے جس کے احاطہ قدرت میں ہر چیز ہے وہ قادر مطلق ہے جب چاہے جس طرح چاہے کائنات کے جاری و ساری نظام میں تبدیلی کر سکتا ہے۔ اب سے چودہ سو سال پیشتر مسلمانوں کی کردار کی عظمت کا غلغلہ تھا۔ دنیائے کفر و استبداد پر اسلام کے شیدائیوں کی حاکمیت قائم ہوتی چلی گئی۔ ہیبت اور جبروت کا عالم یہ تھا کہ بیت المقدس کے محافظین نے اللہ کے پاک گھر کی کنجیاں بدست خود پیش کر دی تھیں۔ پھر ایک ایسا دور آیا کہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح مضبوط قوم فرقوں میں بٹ گئی مسلمانوں کی پاکیزگی گہنا گئی اور مسلمان سمٹتا چلا گیا، اتنا سمٹا اتنا کمزور ہوا کہ اس کا شیرازہ بکھر گیا ۔ جب سے ہوش و حواس کا پہلا قدم زندگی کی منزل پر رکھا ہے ایک ہی بات کانوں سے سنی، آنکھوں نے دیکھی کہ مساجد میں سجی محفلوں میں، منبروں پر لاکھوں کے مجمع میں دعا کی جا رہی ہے۔ یا اللہ ہمیں دشمنوں پر فتح عطا کر۔ دوسری بات جو بچپن سے سننے میں آئی وہ یہ ہے کہ اسرائیلی مغضوب ہیں اور ان کی حکومت کبھی قائم نہیں ہو گی کہ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کی یہی تفسیر پیش کی جاتی ہے۔

یارو! یہ کیسا غضب ہے کہ اغیار ہمارے تشخص کو بربریت اور ظلم و تشدد سے مسلسل پائمال کر رہے ہیں اور ہم روز افزوں پستی کی طرف گامزن ہو کر ثم رددنہ اسفل سافلین کی زندہ تصویر بن گئے ہیں۔ عمل سے کوسوں دور صرف دعا پر اکتفا اور تکیہ کئے بیٹھے ہیں ۔ جس طرح آوازیں فضا میں گشت کرتی رہتی ہیں، دعاؤں کے ساتھ عمل نہ ہو، کردار نہ ہو، اخلاص نہ ہو تو یہ دعائیں بھی زمین کے کناروں سے باہر نہیں نکلتیں۔ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق وہ دعائیں مقبول بارگاہ ہوتی ہیں جن کے ساتھ مسلسل اور پیہم عمل ہو ۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقدس اور اطہر زندگی ہمارے سامنے ہے۔ حاصل کائنات اللہ کے پیارے نبی ﷺ نے محض زبانی جمع خرچ کا درس نہیں دیا مسلسل حرکت اور جد وجہد سے تعبیر زندگی کا اعلیٰ و ارفع نمونہ پیش کیا ہے۔ ہم زبانی دعویٰ تو بہت کر تے ہیں مگر عمل کے میدان میں ہماری حیثیت برگ و بار کی نہیں کانٹوں کی ہے۔ کون نہیں جانتا جھوٹ، اقربا نوازی، ذخیرہ اندوزی ، غیبت۔ آپس میں پھوٹ ڈالنا دوسروں کو کمتر جاننا زندگی کے بلند معیار کے فسوں میں خود کو گرفتار کر لینا کربناک عذاب ہے ہم

www.ksars.org

دوزخ کی طرف بھاگ رہے ہیں۔ ہاتف الغیب غیبی آوازیں دے رہا ہے کہ جدھر کا رخ ہے وہ صعوبت کی راہ ہے مگر افسوس سب کچھ جاننے اور سمجھنے کے باوجود ہم نے اپنی زندگی کو عقوبت خانہ بنالیا ہے۔

ہادی برحق، سرتاج انبیاء، مجسم رحمت، محسن انسانیت ﷺ نے ایک ایسے شخص کا ذکر فرمایا جو لمبی مسافت طے کر کے مقدس مقامات پر حاضری دیتا ہے۔ غبار میں اٹا ہوا ہے۔ گردوآلود ہے اور اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا کر کہتا ہے،

اے میرے رب! اے میرے رب!

حالانکہ اس کا کھانا حرام ہے، اس کا پینا حرام ہے، اس کا لباس حرام ہے اور حرام ہی سے اس کے جسم کی نشو نما ہوئی ہے۔ تو ایسے شخص کی دعا بھلا کیسے قبول ہوسکتی ہے۔

آج کے معاشرے میں ہماری روزی، ہمارا رہن سہن، ہمارا معیارِ زندگی، ہمارا قول و فعل رسول اللہ ﷺ کی زندگی سے کس حد تک مطابقت رکھتا ہے، یہ سب ہمارے سامنے ہے۔

*****

www.ksars.org

مائیکرو فلم

نظام شمسی کی طرح نظام انسانی کا بھی مرکز و محور ہے۔ عالم انسانیت کے نظام اور مرکز کے انکشاف کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس قانون سے واقف ہوں جس کی بنیاد پر اس نظام کا ہر متحرک سیارہ اپنے مرکز کے گرد گھومتا ہے۔

نظام انسانیت میں بھی بے شمار سیارے اپنے مرکز کے گرد گھومتے ہیں اور انسانوں اور آبادیوں کے ہجوم ان مراکز کے گرد طواف کرتے ہیں۔ یہ عمل صرف زمین والوں پر موقوف نہیں۔ آسمانوں میں بھی صرف ان ہی ناموں کی پکار ہوتی ہے جو اپنے مرکز سے وابستہ ہو جاتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرائیل سے فرماتا ہے میں فلاں بندے کو دوست رکھتا ہوں تم بھی اس کو دوست رکھو پس جبرائیل بھی اس سے محبت کرنے لگتا ہے جبرائیل آسمانوں والوں میں اس کی منادی کر دیتا ہے تو تمام آسمان والے بھی اس کو چاہنے لگتے ہیں اور اپنا محبوب بنا لیتے ہیں اور پھر جب آسمان پر اس کی محبوبیت کا اعلان ہو جاتا ہے تو زمین والوں کے دل بھی اس کی محبت کے لئے کھل جاتے ہیں اور اس کو ہر طرف مقبولیت اور محبوبیت حاصل ہو جاتی ہے۔

عالم انسانی کے یہ وہ قدسی نفس حضرات ہیں جو اپنے اندر کام کرنے والے کہکشانی نظام سے باخبر ہو جاتے ہیں۔ جب کوئی بندہ اپنے INNER سے واقف ہو جاتا ہے اور آنکھوں کے سامنے سے ٹائم اینڈ اسپیس کا پردہ اٹھ جاتا ہے۔ تو وہ دیکھ لیتا ہے کہ سب کچھ اس کے اندر ہے۔ ذاتِ انسانی کے اندر ایک نقطہ ہے۔ اور یہ نقطہ کائنات کی مائیکرو فلم ہے۔ اس نقطے کو جب پھیلنے اور نشر ہونے کا موقع دیا جاتا ہے تو ساری کائنات دماغ کی اسکرین پر فلم بن کر متحرک ہو جاتی ہے۔

اس نقطے کی ایک بھرپور اور دل کش مثال برگد کے درخت کے بیج سے دی جا سکتی ہے۔ برگد کا بیج جو خشخاش کے دانے سے چھوٹا ہوتا ہے جب زمین کی کوکھ ایک خاص پروسیس کے تحت اس کو حرارت پہنچاتی ہے تو بیج کے اوپر کا پرت اتر جاتا ہے اور اندر سے برگد کا درخت نمودار ہو جاتا ہے پھر اس درخت کی جسامت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ اس کے نیچے براتیں تک ٹھہر جاتی ہیں اور اس کی وسعت پھر بھی برقرار رہتی ہے۔ جب خشخاش سے چھوٹے دانے میں ایک برگد کا درخت چھپا ہوا ہے تو انسان جو اشرف المخلوقات ہے اس کے اندر کیا کچھ نہیں چھپا ہو گا۔

www.ksars.org

فیضان قدرت عام ہے جو کچھ چاہا جاتا ہے وہ ہو جاتا ہے۔ قدرت انسان کی راہ نمائی میں ہر لمحہ اور ہر آن مصروف عمل ہے جب ہم ایٹم تلاش کر سکتے ہیں، آواز کی لہروں کو پوری دنیا میں منتشر کر سکتے ہیں، مائیکرو فلم کی تخلیق کر سکتے ہیں تو اپنے اندر اس نقطے سے بھی وقوف حاصل کر سکتے ہیں جس کے اندر برگد کے بیج کی طرح پوری کائنات ریکارڈ ہے۔

اللہ کے جو بندے آگاہی کے اس ناپیدا کنار سمندر میں اتر جاتے ہیں، ان کے اوپر سے ٹائم اسپیس کی گرفت ٹوٹ جاتی ہے اور زمان سے پیدا شدہ تمام عوامل رنج و غم، پریشانی واضمحلال، فکر و تردد سے اپنا رشتہ منقطع کر لیتے ہیں۔ جب کوئی بندہ اس دائرے کار میں منتقل ہو جاتا ہے تو اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کے انعامات و اکرامات کی بارش ہونے لگتی ہے اور ساری کائنات اس کے گرد گھومتی ہے۔

*****

KSARS
www.ksars.org

دولت کے پجاری

دوستو !

چودہ صدیاں بھی بالآخر دم توڑ گئیں۔ جس طرح مرنے کے بعد کوئی واپس نہیں آیا چودہ صدیوں کے پانچ لاکھ گیارہ ہزار دن اور راتیں بھی واپس نہیں آئیں گی۔ ایک ہزار چار سو سال میں ہم نے کیا کھویا، کیا پایا اس کا محاسبہ ہمارے اوپر فرض ہے۔ روز افزوں سائنسی ترقی نے علمِ حصولی کو معراج بخشی ہے۔ یہ بات اب قرین قیاس نظر آتی ہے کہ انسان تسخیر کائنات کے اس دائرے میں داخل ہونا چاہتا ہے جہاں مادہ (Matter) کی حیثیت نفی بن جاتی ہے۔ یہ بات مشاہدہ بن گئی ہے کہ آدمی روشنیوں کے بے شمار لباسوں سے مزین ایک پیکر ہے اور روشنیوں کے اس لباس پر ہی رنگ و بو کی یہ دنیا قائم ہے۔ ظاہر بین نظروں سے دیکھا جائے تو آج کا انسان چودہ سو سال پہلے کے انسان سے بہت ترقی یافتہ ہے، اتنا ترقی یافتہ کہ اس نے نہ صرف یہ کہ آواز کے قطر(Wave Length) معلوم کر لئے ہیں، ان کو بڑھانے گھٹانے کا بھی ملکہ حاصل کر لیا ہے۔ ایک ہزار چھ سو قطر سے اوپر کی آوازوں پر اس کی دسترس ہے۔ روشنیوں کے اس ہالے کو جو اصل انسان ہے لہروں میں منتشر کر کے ہزاروں میل کے فاصلے پر پورے خدوخال کے ساتھ پردہ اسکرین پر منتقل کر دیتا ہے۔ اسپیس اتنی سمٹ گئی ہے کہ ایک انچ اسپیس (مائیکرو فلم) میں سینکڑوں صفات کی کتاب محفوظ کر لی جاتی ہے۔ ٹائم کا حال یہ ہے کہ ہزاروں میل کا سفر گھنٹوں میں طے ہو جاتا ہے۔

لیکن جب ہم ان سب حیرت زدہ کرنے والی تحقیقات اور ترقی کے نتائج پر غور کرتے ہیں تو دل میں ایک ہوک اٹھتی ہے ! یارو، یہ کیسی ترقی ہے ! آج کا ہر چہرہ غم و یاس کا عکس ہے۔ آرام و آسائش کے اتنے وسائل کے باوجود آدمی پریشان ہے۔ اس ترقی نے نوع انسانی کا سکون چھین لیا ہے۔ سکون کی تلاش سرگرداں نوع نئے نئے امراض کا شکار ہے۔ ہر طرف یہ شور و غوغا ہے کہ آدمی، آدمی کی زندگی میں زہر گھول رہا ہے۔ اسلاف کے غیر ترقی یافتہ ماضی کا جب ہم حال سے مقابلہ کرتے ہیں تو یہ جان کر شدید احساس کمتری ہوتا ہے کہ تحمل اور بردباری ان کا شیوہ تھا۔ افراط و تفریط کا بازار آج کی طرح گرم نہیں بلکہ بالکل سرد تھا۔ بلاشبہ ان کے پاس ٹی وی، وی سی آر، فریج اور ترقی یافتہ دور کی دوسری چیزیں نہیں تھیں۔ اتنا بہتر لباس انہیں میسر نہیں تھا جو ہم پہنتے ہیں ،ایسے عالیشان گھر نہیں تھے جس قسم کے محل نما مکانوں میں ہم رہتے ہیں لیکن ان کی دنیا سکون آشنا تھی، وہ صحت مند تھے، خوش رہتے تھے، میٹھی نیند سوتے تھے۔ ہر آدمی خود اپنا آئینہ ہے۔ اس آئینے میں دوسرا رخ یہ نظر آتا ہے چند جینیس (Genius) آدمیوں نے ایک چھوٹے سے ایٹم کو اتنی زیادہ اہمیت دے دی کہ اس کی حیثیت لاکھوں انسانی جانوں سے زیادہ ہو گئی۔ ایسے ایسے سلنڈر انسانوں کے ہاتھ وجود میں آئے کہ بٹن دبا دینے سے پورے بھرے شہر آکسیجن کی تلاش میں راہی عدم ہو جاتے ہیں۔ سکون

www.ksars.org

کی تلاش میں نیندیں غائب تو خواب آور دواؤں کی ایجاد نے خود فریبی میں مبتلا کر کے نیند کی آغوش میں پہنچانے کے بعد انسان کو حواس باختہ کر دیا۔ایٹمی پروسیس نے ایسی بیماریوں کو جنم دیا جو لاعلاج ہیں جن کا نام سن کر ہی آدمی دہشت سے مر جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا:

''اے آدم تو اور تیری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے دل چاہے خوش ہو کر کھاؤ۔''

جہاں سے دل چاہے اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جنت میں ٹائم اسپیس (Time and Space) کی جکڑ بندیاں نہیں ہو تیں۔ جنت میں آدم کے اندر ٹائم اسپیس سے آزاد ہونے کی وہی صلاحیت ہے جس سے سائنس نے اسپیس کو توڑ دیا ہے۔ یہ وہی صلاحیت ہے جس نے فاصلے ختم کر دیے ہیں۔

اس صلاحیت کو بروئے کار لانے کا مقصد چونکہ دوسرے انسانوں پر اپنی برتری ثابت کرنا تھا اس لیے ساری دنیا کے اوپر صعوبتیں، زحمتیں اور پریشانیاں مسلط ہو گئی ہیں۔ اس ترقی میں اگر صرف اتنی تبدیلی آ جائے کہ یہ سب خالصتاً اللہ کی مخلوق کی خدمت کے لئے ہوں تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق یہ بات پوری ہو جائے گی۔

''جہاں سے چاہو خوش ہو کر کھاؤ۔''

چودہ صدیوں میں ہم جنت کی اس صلاحیت سے قریب ہوئے ہیں جو ہمیں ٹائم اسپیس سے آزاد کرتی ہے اور اس صلاحیت سے دور ہو گئے ہیں جو ہمیں اطمینان و سکون کی زندگی عطا کرتی ہے۔ خدا کرے پندرہویں صدی اس صلاحیت کے لئے پیش رفت ثابت ہو جو ہمیں ہر آن اور ہر لمحہ مسرت و شادمانی سے ہم کنار کرتی ہے اور ہم اس آیت مقدسہ کی زندہ تفسیر بن جائیں۔

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا (سورۂ بقرہ)

اے عزیزو۔۔۔!

جو کچھ دنیا میں موجود ہے تمہارے لئے ہے۔ یہ سب رنگ و نور میں ڈھلی ہوئی مورتیاں ہمارے لئے بنائی گئی ہیں۔ خدا کی ذات کھانے، پینے پہننے اوڑھنے، مکان اور دکان سے بے نیاز ہے۔ ان سب چیزوں کو ہمارے تابع فرماں کر دیا گیا ہے تاکہ ہم اس ساز و سامان سے لطف اندوز و بہرہ ور ہوں۔ لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ہم دولت اور اس کے ثمر کے غلام بن کر رہ گئے ہیں، یہی وہ طرز فکر ہے جو چودہ سو سال میں ہم نے اپنے اوپر مسلط کر لی ہے۔

www.ksars.org

آیئے عہد کریں۔۔۔ !

کہ پندرہویں صدی میں ہم دولت کے پجاری نہیں بنیں گے۔ دولت کو اپنے زیر دست غلام اور کنیز بنا کر رکھیں گے۔ ایسی کنیز جس کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ اس نے کبھی کسی کے ساتھ وفا نہیں کی اور جس کے اندر ذہنی مرکزیت انسان کے اوپر آلام و مصائب کا دردناک عذاب ہے۔

KSARS
www.ksars.org

ستائیس جنوری

آؤیارو۔۔۔دلدار کی باتیں کریں۔۔۔؟

جنوری کا مہینہ پہلے بھی تمام تر رعنائیوں، مسرتوں۔ خوشیوں، رنج و عالم، داغ مفارقت، رُوح کی بے تابی کے ساتھ آتا رہا ہے۔ اور آئندہ بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

کائنات ایسی حرکت ہے جو ایک لمحے کے لئے بھی رک جائے تو یہ رنگ رنگ خوشبو فضائے بسیط میں تحلیل ہو جائے گی۔ جنوری کے آخری عشرے میں کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو نم ناک نہ ہوئی ہو، کوئی دل ایسا نہ تھا جس کی حرکت عارضی طور پر نہ رک گئی ہو۔ ۲۷ جنوری ۱۹۷۹ء کی رات جب کہ دن رات کے کنارے ایک دوسرے سے آملنے کے لئے بے قرار تھے، قلندر باباؒ اولیاءؒ کو خالق حقیقی نے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔

نورانی لوگوں کی باتیں بھی روشن اور منور ہوتی ہیں۔ زندگی میں ان کے ساتھ ایک لمحے کا تقرب سو سالہ طاعت بے ریا سے افضل ہے اور عالمِ قدس میں چلے جانے کے بعد ان کی یاد ہزار سالہ طاعت بے ریا سے افضل اعلیٰ ہے کہ ایسے مقرب بارگاہ بندوں کے تذکرہ سے آدمی کا انگ انگ اللہ تعالیٰ کی قربت کے تصور سے رنگین ہو جاتا ہے۔

لازوال ہستی اپنی قدرت کا فیضان جاری و ساری رکھنے کے لیے ایسے بندے تخلیق کرتی رہتی ہے جو دنیا کی بے ثباتی کا درس دیتے ہیں، خالقِ حقیقی سے تعلق قائم کرنا اور آدم زاد کو اس سے متعارف کرانا ان کا مشن ہوتا ہے۔

آیئے ! آج کی نشست میں دلدار، دل نواز کی باتیں کریں۔۔۔ اس لئے کہ انسان دوستی کا تقاضا ہے کہ انسانیت نواز دوست کی آواز کی لہریں "آوازِ دوست" کی صفحے پر بکھیر دی جائیں، اس طرح کہ ایک مرقع تصویر سامنے آجائے۔

فرمایا قلندر باباؒ اولیاءؒ نے:

''نوع انسان میں مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے سب آپس میں آدم کے ناطے خالق کائنات کے تخلیقی رواز و نیاز ہیں، آپس میں بھائی بہن ہیں۔۔۔ نہ کوئی بڑا ہے نہ چھوٹا۔ بڑائی صرف اس کو زیب دیتی ہے جو اپنے اندر ٹھاٹھیں مارتے ہوئے، اللہ کی صفات کے سمندر کا عرفان رکھتا ہو، جس کے اندر اللہ کے اوصاف کا عکس نمایاں ہو، جو اللہ کی مخلوق کے کام آئے، کسی کو اس کی ذات سے تکلیف نہ پہنچے ۔''

www.ksars.org
KSARS

نیکی کی تبلیغ کرنے والا خود نیک ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح بدکردار آدمی دل کا خود برا ہوتا ہے تب اس سے بدی یا دوسروں کی بربادی کے کام رونما ہوتے ہیں۔ غصہ کی آگ پہلے غصہ کرنے والے کے خون میں ارتعاش پیدا کرتی ہے اور اس کے اعصاب متاثر ہو کر اپنی انرجی (Energy) ضائع کردیتے ہیں یعنی اس کے اندر قوت حیات ضائع ہو کر دوسروں کو نقصان پہنچاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نوع انسانی کے لئے کسی قسم کے بھی نقصان کو پسند نہیں فرماتے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

"جو لوگ غصے پر کنٹرول حاصل کرلیتے ہیں، اللہ ایسے احسان کرنے والے بندوں سے محبت کرتا ہے"

شمع پہلے خود جلتی ہے اور جب وہ اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ آگ کی نظر کرکے خود کو فنا کردیتی ہے تو شمع کے اس ایثار پر پروانے جاں نثار ہو جاتے ہیں۔

جو خود عارف نہیں ہے وہ کسی کو عارف کیسے بنا سکتا ہے۔ جو خود قلاش اور مفلوج الحال ہے وہ کسی کو کیا خیرات دے گا!

یہ کیسا المناک اور خوفناک عمل ہے کہ ہم دوسروں کو نقصان پہنچا کر خوش ہوتے ہیں جبکہ آدم و حوا کے رشتے کے پیش نظر ہم خود اپنی جڑ کاٹتے ہیں۔ درخت ایک ہے، شاخیں اور پتے لاتعداد ہیں۔ اگر کوئی شاخ خود اپنے درخت کی جڑ پر ضرب لگائے تو یہ کیسی نادانی کی بات ہے کہ وہ خود کس طرح محفوظ رہ سکتی ہے۔ خوشی ہمارے لئے معراج تمنا ہے تو ہم اپنے ہم جنسوں کو تکلیف پہنچا کر کیسے خوش رہ سکتے ہیں۔

ہر انسان دوسرے انسان سے ہم رشتہ ہے۔ ہر انسان دوسرے انسان سے اس لئے متعارف ہے کہ اس کے اندر زندگی بننے والی لہریں ایک دوسرے میں ردوبدل ہو رہی ہیں۔ پر مسرت محفل میں جہاں سینکڑوں ہزاروں افراد آلام سے بے نیاز خوشیوں کے لطیف جذبات سے سرشار ہیں، وہاں ایک فرد کی المناکی ساری محفل کو مغموم کردیتی ہے۔۔۔ آخر ایسا کیوں ہے؟

اس لئے کہ پوری نوع کے افراد زنجیر کی کڑیوں کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ و پیوستہ ہیں۔ ایک کڑی کمزور ہو جائے تو زنجیر میں جب تک دوسری کڑی ہم رشتہ نہ ہو جائے زنجیر نہیں کہلائے گی۔ قرآن کا ارشاد ہے:

"متحد ہو کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔"

اتحاد و یگانگت ماضی کو پر وقار، حال کو مسرور اور مستقبل کو روشن اور تابناک بناتی ہے۔

مصور ایک تصویر بناتا ہے۔ پہلے وہ خود اس تصویر کے نقش و نگار سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ مصور اگر خود اپنی بنائی ہوئی تصویر سے مطمئن نہ ہو تو دوسرے کیوں کر متاثر ہونگے۔ نہ صرف یہ کہ دوسرے لوگ متاثر نہیں ہوں گے بلکہ تصویر کے خدوخال مذاق کا ہدف بن جائیں گے اور اس طرح خود مصور بے چینی، اضطراب و اضمحلال کے عالم میں چلا جائے گا۔ ایسے کام کریں کہ آپ خود

www.ksars.org

مطمئن ہوں، آپ کا ضمیر مردہ نہ ہو جائے۔ اور یہی وہ راز ہے جس کے ذریعے آپ کی ذات دوسروں کے لئے راہ نمائی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

ہر شخص کو چاہئے کہ کاروبار حیات میں پوری پوری جدوجہد اور کوشش کرے لیکن نتیجہ پر نظر نہ رکھے۔ نتیجہ اللہ کے اوپر چھوڑ دے اس لئے کہ آدمی حالات کے ہاتھ میں کھلونا ہے۔ حالات جس طرح چابی بھر دیتے ہیں، آدمی اسی طرح زندگی گزارنے پر مجبور ہے ۔بے شک اللہ قادر مطلق اور ہر چیز پر محیط ہے۔ حالات پر اس کی گرفت ہے۔ وہ جب چاہے اور جس طرح چاہے حالات میں تغیر واقع ہو جاتا ہے۔

تمہیں کسی کی ذات سے تکلیف پہنچ جائے تو اسے بلاتوقف معاف کر دو اس لئے کہ انتقام بجائے خود ایک صعوبت ہے۔ انتقام کا جذبہ اعصاب کو مضمحل کر دیتا ہے۔

تم اگر کسی کی دل آزاری کا سبب بن جاؤ تو اس سے معافی مانگ لو قطع نظر اس کے کہ وہ تم سے چھوٹا ہے یا بڑا اس لئے کہ جھکنے میں عظمت پوشیدہ ہے۔ قرآن پاک کی روشنی میں:

''آدمی ناقابل تذکرہ شے تھا۔ اس کے اندر اللہ نے اپنی رُوح پھونک دی پس وہ دیکھتا، سنتا اور محسوس کرتا انسان بن گیا۔''

روح کیا ہے؟ روح امرِ رب ہے۔ امرِ رب یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ''ہو'' اور وہ ہو جاتی ہے۔

جس فرد کے دل میں شک جاگزیں ہو، وہ عارف کبھی نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ شک شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار ہے جس کے ذریعے وہ آدم زاد کو اپنی رُوح سے دور کر دیتا ہے۔ روحانی قدروں سے دوری آدمی کے اوپر علم و آگاہی اور عرفان کے دروازے بند کر دیتی ہے۔

اللہ والوں کے اوپر رحمتوں کا نزول ہوتا ہے تجلیات کی بارش ہوتی ہے۔ ان کے فیوض و برکات کی روشن اور منور چادر ایک عالم پر سایہ فگن رہتی ہے۔

*****

www.ksars.org

توانائی

برسوں کی تحقیق و جستجو کے بعد طبیعات نے انکشاف کیا ہے کہ کائنات میں جاری و ساری قوتیں جن کی تعداد اب تک چار سمجھی جاتی تھی صرف تین ہے۔ کم علمی کی بنا پر ایک طاقت کو دو طرح شناخت کیا جا رہا تھا۔ اسی انکشاف پر پاکستانی سائنسدان ڈاکٹر عبد السلام کو فزکس کا نوبل انعام دیا گیا ہے۔

یہ نظریہ بھی سامنے آیا ہے کہ علمی و تحقیقی ارتقا کے ساتھ آج سے پچیس، پچاس یا سو سال کے بعد سائنس اس امر کی شہادت فراہم کرے گی کہ فی الواقع کائنات میں جاری و ساری طاقت صرف ایک ہے جس کو کم علمی کی بنا پر چار تین یا دو سمجھا جا رہا تھا۔ دوسری طرف سائنس دانوں نے فوٹو گرافی کا ایک ایسا طریقہ اور آلات وضع کئے ہیں جس کے ذریعے اتاری گئی تصویروں نے شہادت دی ہے کہ ہر مادی وجود کے گرد رنگین روشنیوں کا ایک ہالہ ہے اور اس ہالہ نور جسے AURA کا نام دیا گیا ہے، کا مطالعہ کر کے بظاہر پوشیدہ ذہنی جسمانی کیفیات کا انکشاف کیا جا سکتا ہے۔

تیسری طرف جدید نفسیات دریافت کی اس منزل پر پہنچ گئی ہے کہ جب ذہن انسانی کامل یکسوئی کے ساتھ کسی خیال میں مرکوز ہو جاتا ہے تو تحت الشعور اس خیال کو مادی وجود کے ساتھ مظہر بنا دیتا ہے۔

ہر آدمی جانتا ہے کہ دیگر تمام معاملات کی طرح علمی پیش رفت اور انکشافات بھی آفاقی قوانین کے تابع ہیں۔ جو قوم ان قوانین کے مطابق جدوجہد کرتی ہے وہ کامران ہوتی ہے۔ یورپی ممالک اور امریکہ نے جب وسائل میں قید مادے کو اولیت دے کر آفاقی قوانین کو حرکت دی توان کے اوپر مادی وسائل میں مخفی صلاحیتوں اور طاقتوں کا انکشاف ہوتا چلا گیا اور آج یہ قومیں محض اپنی علمی فضیلت کی وجہ سے برتری حاصل کر چکی ہیں۔

موجودہ سائنس تلاش و جستجو کے راستے پر چل کر اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ پوری کائنات ایک ہی قوت کا مظاہرہ ہے۔ انکشاف نیا نہیں ہے۔ ہمارے اسلاف میں کتنے ہی لوگ اس بات کو بیان کر چکے ہیں کہ کائنات کے تمام مظاہر کو ایک ہی توانائی کنٹرول کرتی ہے اور اس قوت کا براہ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ ربط ہے۔ قرآن اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔۔۔اللہ آسمانوں اور زمین کی روشنی ہے۔

ہم مادی سائنس اور اپنے اسلاف کے علوم کا موازنہ کرتے ہیں تو یہ دیکھ کر ہمارے اوپر حیرت کے باب کھل جاتے ہیں کہ آج سے تقریباً آٹھ صدی پہلے حضرت شاہ عبد القادر جیلانیؒ ایک ایسے عظیم سائنسداں تھے جو فطرت کے قوانین کو جانتے تھے، جن کے

www.ksars.org

وجود مسعود سے آفاقی قوانین کے رازہائے سربستہ کا انکشاف ہوا ہے۔ حضرت شاہ جیلانیؒ نے فطرت کے قوانین کے استعمال کا جو طریقہ بتا گئے ہیں اور انہوں نے ان قوانین کو سمجھنے کی جو راہ متعین کی ہیں وہاں آج کی سائنس کھربوں ڈالر خرچ کر کے بھی نہیں پہنچ سکی ہے۔

سائنسی علوم کی ترقی اور کامیابی کا ایک بڑا فیکٹر (Factor) بجلی یا الیکٹرک سٹی (Electricity) ہے اور اب یہ بات سامنے آچکی ہے کہ ہر موجود شئے میں برقی اور مقناطیسی (Electromagnetic) لہریں موجود ہیں۔ مختلف اشیاء میں یہ لہریں مختلف تناسب اور مقداروں میں کام کرتی ہیں جبکہ ان لہروں کو ایک بنیادی قوت زندگی مہیا کرتی ہے۔ یہی لہریں ہیں جو زندگی اور زندگی کے تمام عوامل و حرکات کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔

شیخ محی الدین عبد القادر جیلانیؒ نے بتایا ہے کہ زمین اور آسمان کا وجود اس روشنی پر قائم ہے جس کو اللہ تعالی کا نور فیڈ کرتا ہے۔ اگر نوع انسانی کا ذہن مادہ سے ہٹ کر اس روشنی میں مرکوز ہو جائے تو وہ یہ سمجھنے پر قادر ہو جائے گا کہ انسان کے اندر عظیم الشان ماورائی صلاحیتیں ذخیرہ کردی گئیں ہیں جن کو استعمال کر کے نہ صرف یہ کہ وہ زمین پر پھیلی ہوئی اشیاء کو اپنا مطیع و فرماں بردار بنا سکتا ہے بلکہ ان کے اندر کام کرنے والی قوتوں اور لہروں کو حسبِ منشاء استعمال بھی کر سکتا ہے۔ پوری کائنات اس کے سامنے ایک نقطہ اور دائرہ بن کر آجاتی ہے۔ اس مقام پر انسانی مادی وسائل کا محتاج نہیں رہتا۔ وسائل اسکے سامنے سربسجود ہو جاتے ہیں۔

ہم جب قرآن کی تعلیمات اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو دیکھتے ہیں اور مسلمانوں کی حالت پر نظر ڈالتے ہیں تو سوائے افسوس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ قرآن کی حقیقی تعلیم اور مسلمانوں کے عمل میں بہت بڑا تضاد واقع ہو چکا ہے۔ قرآن جس راہ کا تعین کرتا ہے، مسلمان جس راہ پر چل رہا ہے یہ دونوں دو ایسی لکیریں ہیں جو آپس میں کبھی نہیں ملتیں۔

اللہ نے انسان کو اپنا نائب بنایا، اس کے اندر اپنی صفات کا علم پھونکا ہے اس کو اپنی صورت پر تخلیق کیا ہے۔ نائب کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ اگر ایک مملکت کا صدر اپنے اختیارات کو استعمال کرنے میں کاغذ قلم کا محتاج نہ ہو تو اس کا نائب اختیارات استعمال کرنے میں کاغذ قلم کا محتاج ہو۔

اللہ وسائل کی محتاجی کے بغیر حاکم ہے تو اس کا نائب بھی وسائل کا دست نگر نہیں ہوتا جس طرح خدا نے کن کہہ کر کائنات کو وجود بخشا ہے خدا کا نائب بھی اپنے ذہن کو حرکت دے کر خدا کی تخلیق میں تصرف کر سکتا ہے۔ کیونکہ اللہ کا نائب اس بات سے واقف ہوتا ہے کہ کائنات میں موجود تمام مظاہر ایک ہی ذات سے ہم رشتہ ہیں۔

مسلمان کے پاس ماورائی علوم کا جتنا بڑا سرمایہ موجود ہے وہ اسی مناسبت سے مفلوک الحال ہے۔ مسلمان کے اسلاف نے اس کے لئے حاکمیت اور تسخیر کائنات کے بڑے بڑے خزانے ترکہ میں چھوڑے ہیں لیکن وہ بد نصیب قوم ہے جس نے ہیرے کو پتھر کہہ

www.ksars.org
KSARS

کر پھینک دیا ہے اور اس خزانے سے مستفیض ہونے کی صلاحیت کھو بیٹھی ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ مصلحتوں کے پیش نظر مسلمان کو تفکر کی راہ سے دور ہٹا دیا گیا ہے اور اس کے سامنے ایسی نہج آگئی ہے جہاں اس کا ہر عمل کاروبار بن گیا ہے۔

کتنی مضحکہ خیز ہے یہ بات کہ قرآن کائنات پر ہماری حاکمیت اور سرداری تسلیم کر رہا ہے۔ ہمارے اوپر حاکمیت اور سرداری کے دروازے کھول رہا ہے اور ہم قرآن کو برکتوں کی کتاب سمجھ کر طاقوں میں سجائے رکھتے ہیں۔ جب کوئی افتاد پڑتی ہے تو اس کی آیات تلاوت کر کے دنیاوی مصائب سے نجات کی دعائیں مانگتے ہیں مگر اس طرف ہماری توجہ مبذول نہیں ہوتی کہ

قرآن میں تفکر اگر ہمارا شعار بن جائے اور ہم اس تفکر کے نتیجے میں میدانِ عمل میں اتر آئیں تو ساری کائنات پر ہماری سرداری مسلم ہے۔

افسوس کہ ہم ان خزانوں کو نظر انداز کر کے دوسروں کے دست نگر بنے ہوئے ہیں۔ قرآن کے ارشاد کے مطابق اللہ نے ہمیں شمس و قمر، نجوم، ارض و سماوات سب پر حاکم بنا دیا ہے اور اس حاکمیت کو حاصل کرنے کے طریقے بھی بتائے ہیں لیکن ہم ہیں کہ ہر شعبہ زندگی میں دوسروں کے پس خوردہ نوالوں کو اپنی زندگی کا حاصل سمجھ بیٹھے ہیں۔

ہماری زندگی محض دنیا کے حصول تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ ہماری عبادتیں بھی دکھاوے اور دنیاوی برکتیں سمیٹنے کے لئے مخصوص ہو گئی ہیں ہم اعمال کے ظاہری پہلو کو تو بہت اہمیت دیتے ہیں مگر باطن میں بہتے ہوئے سمندر میں سے ایک قطرہ آب بھی نہیں پیتے۔ آسمانِ علم و آگاہی کے خورشیدِ منفرد اور تسخیر کائنات کے فارمولوں کے ماہر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں۔۔

'اے منافقو! کلام نبوت سنو۔

آخرت کو دنیا کے عوض فروخت کرنے والو!

حق کو مخلوق کے عوض بیچنے والو!

باقی کو فنا کے بدلے کاروبار کرنے والو!

تمہارا بیوپار سراسر خسارے کا سودا ہے، تمہارا سرمایہ تمہیں بربادی کے گڑھے میں دھکیل رہا ہے۔ افسوس تم پر۔ تم اللہ کے غضب کا ہدف بن رہے ہو۔

*****

www.ksars.org

پرندے

ماحول میں اپنے جانکار لوگوں کی طرز فکر کا مشاہدہ کیا جائے تو ایک ہی بات سامنے آتی ہے کہ ہر شخص کسی نہ کسی عنوان سے پریشان ہے۔ پریشانی اور خود بیزاری اس کے اوپر مسلط ہے۔ زندگی اتنی مصروف ہو گئی ہے کہ ماہ و سال کی گردش ایک ثانیہ بن گئی ہے۔ آسائش و آرام کی طلب نے آدمی کی تشخص کو ریزہ ریزہ کر دیا ہے۔

دماغ کے اندر دو کھرب خلئے اپنی تمام صلاحیتوں کے ساتھ ہر ہر قدم پر متوجہ کرتے ہیں کہ ملمع شدہ دنیا نہ صرف یہ کہ ایک فرد کے لئے بلکہ پوری نوع انسانی کیلئے زہر ہلاہل ہے مگر آدم و حوا کے وجود کا تیسرا رخ آدم زاد دماغ کی فریاد پر کان نہیں دھرتا۔ ایسا لگتا ہے کہ دلوں پر اور کانوں پر مہر لگ گئی ہے اور آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے۔ یہ سب کیوں ہے اور نوع انسانی اپنے اوپر عذاب کیوں مسلط کئے ہوئے ہے؟ اس کا جواب بجز اس کے کچھ نہیں ہے کہ

۔۔۔ ہم نے سونے چاندی کے ذخیروں کو زندگی کی معراج بنالیا ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ آدم زاد کی طرح چوپائے اور پرندے بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔ ان کے اندر بھی احتیاج ہے۔ انہیں بھی بھوک پیاس لگتی ہے۔ اے آدم زاد! کبھی تو نے سوچا کہ روزی رساں اتنی بڑی مخلوق کو کس طرح روزی فراہم کرتا ہے۔

کسان جب کھیتی کو سمیٹتا ہے تو جھاڑو سے ایک ایک دانہ سکیر لیتا ہے۔ اس کی کوشش ہوتی ہے کہ زمین پر ایک دانہ بھی نہ رہے۔ لیکن اربوں کھربوں کی تعداد میں اللہ کی مخلوق اپنا پیٹ بھرتی ہے اور تمام غذائی ضروریات پوری کرتی ہے۔ اللہ کی شان کریمی ہے کہ جب آسمان پر پرندوں کا غول دانہ چگنے کے لئے اپنے پنجوں اور گردن کو کشش ثقل کے تابع کرتے ہوئے زمین کی طرف آتا ہے تو اس سے پہلے کہ زمین پر اتریں وہاں ان کی غذائی ضروریات تخلیق ہو چکی ہوتی ہیں۔ اربوں کھربوں پرندے آدمی کی طرح وسائل کے محتاج نہیں ہیں۔

زمین پر اترنے سے پہلے پرندوں کی غذائی ضرویات کیسے تخلیق ہو جاتی ہیں؟ یہ ایک راز ہے مگر ایک ایسی حقیقت ہے نوع انسانی کے افراد جس کا ہر وقت مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ اسرار و رموز کے عارف، اللہ کے دوست حضرت بابا تاج الدین ناگپوریؒ کا ایک دوہا کیا خوب ہے! بابا تاج الدین داس ملوکا تخلص کرتے تھے۔

اجگر کریں نہ چاکری، پنچھی کریں نہ کام

داس ملوکا کہہ گئے سب کے داتا رام

www.ksars.org

باباصاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں چوپائے ملازمت نہیں کرتے، اور پرندے کاروبار نہیں کرتے لیکن اللہ تعالیٰ سب کو روزی فراہم کرتا ہے۔

جب دلوں پر اور کانوں پر مہر لگ جاتی ہے تو کوئی بات اثر نہیں کرتی، مگر کیا کیا جائے ! ۔۔۔

مجھے ہے حکم اذاں۔۔۔لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

ایک دیوانگی یہ ہے کہ معاشرتی اقدار کو پامال کر کے آدمی سونے چاندی کو سب کچھ سمجھ بیٹھا ہے۔ بالکل اس کے متوازی (Parallel) دوسری دیوانگی یہ ہے۔۔

۔۔۔اس کے باوجود کہ کوئی نہیں سنتا، ہم سنائے جاتے ہیں۔۔۔

حضرت عیسیٰؑ تبلیغی سفر میں تھے ایک یہودی مّلا نے عرض کیا۔ "میں بھی آپ کے ساتھ شریکِ سفر ہونا چاہتا ہوں۔"

حضرت عیسیٰؑ نے یہ درخواست منظور فرمالی۔ چلتے چلتے جب سورج کی تمازت بڑھی اور زمین تپ کر تانبا بن گئی تو یہ دونوں صاحبان ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ طے پایا کہ کھانا کھالیا جائے دونوں صاحبان نے اپنے اپنے دستر خوان کھولے۔ یہودی ملا کے دستر خوان میں تین روٹیاں تھیں اور حضرت عیسیٰؑ کے پاس دو۔ یہودی نے جب یہ دیکھا کہ حضرت عیسیٰؑ کے پاس دو روٹیاں ہیں تو اس نے فوراً اپنا کھانا چھپالیا۔ اور کہا " اے پیغمبر! میں آپ سے عمر میں بڑا ہوں، آپ کے مقابلے میں میرے اعصاب کمزور ہیں کھانے کے لئے پانی کی ضرورت پیش آئے گی۔ آپ زحمت کر کے پانی لے آئیں۔"

حضرت عیسیٰؑ پانی لینے کے لیے گئے تو ملا نے ایک روٹی کھالی۔ دونوں جب کھانے کے لئے بیٹھے تو حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا کہ تمہارے پاس تین روٹیاں تھیں؟ ملا نے کہا آپ کو مغالطہ ہوا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ خاموش ہو گئے۔ کھانا کھانے کے بعد دونوں صاحبان لیٹ گئے۔ ملا سو گیا۔ حضرت عیسیٰؑ نے ریت کی تین ڈھیریں بنائیں اور ان کے اوپر پھونک ماری تینوں ڈھیریاں سونا بن گئیں۔ ملا جب بیدار ہوا تو اس نے دیکھا کہ سونے کے تین ڈھیر پڑے ہیں۔ حیرت واستعجاب اور خوشی کے عالم میں اس نے پوچھا۔ "اے پیغمبر! یہ سونے کے ڈھیر کس کے ہیں؟"

حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا "ایک میرا ہے، ایک تیرا ہے اور تیسرا اس کا ہے جس نے تیسری روٹی کھائی"۔

ملا فوراً بول اٹھا کہ وہ روٹی اسی نے کھائی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا کہ اگر وہ روٹی تو نے کھائی ہے تو سونے کے دو حصے تیرے ہیں اور ایک حصہ میرا ہے۔ ملا گویا ہوا "آپ اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں پیغمبر ہیں، آپ سونے کا کیا کریں گے ! یہ بھی مجھے ہی بخش دیجئے۔"

www.ksars.org

حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا۔"اگر تو میرے ساتھ شریک سفر نہ رہے تو تیسرا حصہ بھی تیرا ہے"اور حضرت عیسیٰؑ وہاں سے اٹھ کر چل دیئے۔ عیسیٰؑ ابھی ملا کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوئے تھے کہ تین آدمی وہاں آموجود ہوئے اور یہودی کو پکڑ کر مارنا شروع کر دیا۔ یہودی ملانے بہت احتجاج کیا مگر ان تینوں آدمیوں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ تینوں آدمی ڈاکو تھے جو قانون سے چھپتے پھر رہے تھے۔

بہت بحث و تمحیص کے بعد آخر یہ طے ہوا کہ سونے کے دو ڈھیر وہ تین آدمی لے لیں اور ایک ڈھیر یہودی لے لے۔ ساتھ ہی ڈاکوؤں نے یہ شرط رکھی کہ ملا بازار سے کھانا لا کر دے،اس لئے کہ سونے کی لالچ میں مخبری نہیں کرے گا۔ قصہ کوتاہ، ملا کھانا لینے کے لئے شہر کی طرف چل پڑا۔ غم و غصے میں پیچ و تاب کھاتا ہوا سوچتا رہا کہ خواہ مخواہ یہ تین آدمی میری دولت کے حق دار بن گئے۔ بے شک یہ لوگ ظالم اور جابر ہیں۔ان کو معاف کرنا بجائے خود ناانصافی اور ظلم ہے۔ بازار سے کھانا لینے کے بعد ملانے اس میں زہر ملا دیا۔ادھر ان تینوں آدمیوں نے یہ سازش کی کہ جیسے ہی ملا کھانا لیکر آئے اسے قتل کر دیا جائے اس لئے کہ ملا کباب میں ہڈی بن گیا ہے۔ سونے کی تین ڈھیریاں ہیں اور ہم تین آدمی اس کے صحیح وارث اور حق دار ہیں۔ اگر یہودی کو بیچ سے ہٹا دیا جائے تو تقسیم صحیح طور پر عمل میں آجائے گی۔

جیسے ہی ملا زہر امیز کھانا لیکر آیا،ان میں سے ایک نے اسے قتل کر دیا اور تینوں آدمی کھانا کھانے بیٹھ گئے ابھی کھانے کے چند لقمے ہی پیٹ میں نہ اترے تھے کہ تینوں کی رُوح پرواز کر گئی۔

یہ بات بہت زیادہ محل نظر ہے:۔

یہودی کسی ایک فرد کا نام نہیں ہے۔ انجیل کے اس بیان میں طرز فکر کی نشان دہی کی گئی ہے۔ یہودی ملا سے مراد دنیا پرست اور لالچی بندہ ہے خواہ وہ کسی بھی معاشرے کا فرد ہو۔

دولت پرستی کی چھاپ ہمارے اوپر اتنی گہری اور نمایاں ہے کہ ہم لالچی ملا کی زندہ تصویر بن گئے ہیں۔ ہر شخص دنیا کی حرص اور لالچ میں مبتلا ہے۔ حرص و ہوس کا جو نتیجہ مرتب ہوتا ہے واقعہ مذکور میں اس کی پوری فلم موجود ہے۔

۔۔۔۔۔۔ہے کوئی جو عبرت حاصل کرے!

فَاعْتَبِرُوْ اَیااُوْلِی الْاَبْصَارِ

*****

www.ksars.org

KSARS
www.ksars.org

سکون

تمام مذاہب کی یہ تعلیم عام ہے کہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے۔ امتحان میں کامیابی فرد اور قوم کے لئے سکون و راحت کے ذریعہ ہے۔ جو فرد یا قوم امتحان میں فیل ہو جاتی ہے، نارِ جہنم اس کا ٹھکانا ہے۔

دنیا عالمِ ناسوت ہو، دنیا عالمِ نور (جنت) ہو دونوں میں انسان کے لئے آسائش و آرام کے سامان مہیا ہیں۔ گھر اور بالا خانے جس طرح دنیا میں لوگوں کے لئے پناہ گاہ ہیں اسی طرح جنت میں بھی محلات اپنے باسیوں کے لئے منتظر ہیں۔ مٹی کے بنے ہوئے پھل فروٹ جس طرح یہاں ہمارے لئے لذت کام و دہن ہیں جنت میں بھی انگور، انار اور سیب بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اس عالمِ آب و گل میں عورت مرد کے لئے اور مرد عورت کے لئے جس طرح سکونِ قلبی، راحتِ دماغ بنے ہوئے ہیں، رنگ و روشنی کے عالم جنت میں بھی حوروں غلماں کا وجود ہمارے سامنے ہے۔ آبِ شریں اگر عالمِ سفلی میں ہمارے لئے آبِ حیات ہے تو جنت بھی آبِ کوثر ہمارے سامنے پیش کرتی ہے۔ کیف و مستی اور رنج و غم زمان و مکان (Time & Space) کے بند پنجرے میں ہمارے اوپر وارد ہوتے ہیں۔ یہی دونوں رخ اس عالم میں جنت اور دوزخ کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔

ہر انسان کے اندر سطحی اور گہری سوچ موجود ہے۔ تفکر جب گہرا ہوتا ہے تو بجز اس کے کوئی بات سامنے نہیں آتی کہ ہر آدمی جنت اور دوزخ اپنے ساتھ لئے پھرتا ہے۔ اور اس کا تعلق طرز فکر سے ہے۔ طرزِ فکر آزاد اور انبیاء علیہم السلام کے مطابق ہے تو آدمی کی ساری زندگی جنت ہے۔ طرز فکر میں ابلیست ہے تو تمام زندگی دوزخ ہے۔

جس کے پاس زر و جواہر کے انبار ہیں وہ بھی دو روٹی کھاتا ہے اور ستر پوشی کے لئے دو کپڑے پہنتا ہے جس کے پاس دولت نہیں ہے وہ بھی دو روٹی کھاتا ہے اور دو کپڑے زیب تن کرتا ہے۔ جس کے پاس دس کمروں کا محل ہے وہ ایک چارپائی کی جگہ سوتا ہے۔ کسی نے نہیں دیکھا کہ محل میں رہنے والا آدمی سوتے وقت اتنا پھیل جاتا ہو کہ سونے کے لئے ایک چارپائی سے زیادہ جگہ کی ضرورت اسے پیش آئے۔

وسائل کی تقسیم میں فرق واقع کیا جاسکتا ہے مگر زندہ رہنے کے لئے سب کی ضروریات یکساں ہیں۔ خورد و نوش کے لئے سامان کا انبار ہو، روپے کی ریل پیل ہو، اس کے بر عکس وسائل کمی کے ساتھ موجود ہوں۔ دونوں حالتوں میں یہ ضروری نہیں کہ آپ سکوں آشنا زندگی سے ہم کنار ہوں۔ سکوں آشنا زندگی سے ہم آغوش ہونے اور اطمینانِ قلب کے لئے ایک الگ طرزِ فکر ہے اور وہ طرزِ فکر یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ سے واقف ہو۔ خود سے وقوف حاصل کرنا حقیقت پسندانہ عمل ہے اور حقیقت سے فرار فکشن (Fiction) اور مفروضہ زندگی ہے۔

www.ksars.org

آج ہم ایسے عہد میں سانس لے رہے ہیں جہاں ہر روز نت نئے انکشافات ہمارے سامنے آتے ہیں۔ کھوج کی اس دنیا میں انسان سمندر کی تہہ میں جا کر وہاں کے رازہائے سربستہ عام کرنے کی فکر میں سرگرداں ہے۔ رازہائے سربستہ کا متلاشی انسان ستاروں پر کمندیں ڈال چکا ہے۔ نئی تحقیق کی راہ، مریخ اب اس کے سامنے ہے۔ ان سب مشاہدات کے بعد انسان یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہے کہ تحقیق و تلاش کا عمل اس وقت تک پایہ تکمیل کو نہیں پہنچے گا جب تک انسان خود کو تلاش نہ کرے۔ ضرورت ہے کہ اپنے اندر ماورائی صلاحیتوں کو دریافت کیا جائے۔ غیر مسلم اقوام نے اسی ارادے کے ساتھ اپنے شعور کی گہرائیوں میں سفر شروع کر دیا ہے۔ انہیں ایک نئی بصیرت کی تلاش ہے جو آدم زاد کی پرآلام زندگی کی تشکیل نو کر سکے۔

بے قراری اور اضطراب سے رستگاری حاصل کرنے کے لئے، اسلاف سے جو ہمیں ورثہ ملا ہے اس کا نام مراقبہ ہے۔ مراقبہ کے ذریعے ہم اپنے اندر مخفی صفات کو منظر عام پر لا سکتے ہیں۔ مراقبہ ایک ایسا عمل ہے جو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور تمام اولیاء اللہ کا معمول رہا ہے۔ آخری نبی ﷺ نے بعثت سے پہلے غارِ حرا میں ایک عرصہ تک مراقبہ کیا ہے۔

وجدانی کیفیات کے حصول کی غرض سے ایک سروے پورٹ کے مطابق امریکہ میں مراقبہ کرنے والوں کی تعداد دس لاکھ سے زیادہ ہے۔ ان اعداد و شمار سے واضح ہوتا ہے کہ امریکہ جیسے خود کفیل ملک میں بھی سکونِ قلب حاصل کرنے اور زندگی کو خوش اسلوبی کے ساتھ گزارنے کے لئے لوگ اولیاء اللہ کی طرز فکر کی طرف لوٹ رہے ہیں۔

مراقبہ کے ذریعے جہاں ہم خود اپنا ادراک کر سکتے ہیں ماضی اور مستقبل بھی ہمارے سامنے ایک کھلی کتاب بن جاتا ہے اور اس ادراک کی روشنی میں خوش آئند زندگی ہمارا مقدر بن جاتی ہے۔

*****

www.ksars.org

آتش فشاں

دوستو۔۔ !میں کون ہوں؟

بھائیو۔۔ !آپ کون ہیں؟

ساتھیو۔۔ !یہ دنیا کیا ہے؟

عزیزو۔۔!یہ کیسی بقا ہے کہ ہر لمحہ فنا کے دوش پر رقصاں ہے؟

ہوا یوں کہ رات کے وقت جب آسمان جگ مگ کر رہا تھا اور انوار کی لطیف فضا میں ستاروں کی محفل سجی ہوئی تھی، ایک روشن ستارہ اپنی نامعلوم منزل کی طرف رواں دواں تھا۔ ہر گھنٹے کے بعد یہ ستارہ اپنی جگہ سے آگے بڑھ جاتا۔ ساری رات کا سفر طے کر کے یہ ستارہ مشرق کو چھوڑ کر مغرب میں اپنا مسکن بنا چکا تھا۔

میں یہ نہیں جان سکا کہ زمین چل رہی تھی یا ستارہ متحرک تھا۔ صحن میں تخت پر لیٹے لیٹے پوری رات کی روائیداد اتنی ہے کہ ستارہ مشرق سے مغرب میں جا چکا تھا۔ اور اس کے اوپر دن کی روشنی غلاف بن چکی تھی۔ ظاہر ہے کہ دن بھر ستارہ سفر کر کے رات کو پھر اسی جگہ آجائے گا جہاں سے مشرق میں پہنچا تھا اور یہ عمل جاری و ساری ہے۔

جس طرح ستارے اور زمین گردش میں ہیں کائنات کا ایک ایک ذرہ اپنے اپنے انداز میں متحرک ہے۔ انسان جس کے لئے یہ ساری کائنات تخلیق کی گئی ہے وہ بھی ہر لمحہ اور ہر آن جذبات و احساسات کی دنیا میں ردوبدل ہو رہا ہے۔ آنے والا ہر لمحہ ماضی ہے اور ماضی فنا ہے۔ اور فنا کا وجود ہی دراصل بقا ہے۔ فنا نہ ہو تو بقا کا تذکرہ بے سود ہے۔ انگوٹھا چوستے بچہ کا بچپن جب فنا کے مراحل سے گزر جاتا ہے، تو لڑکپن وجود میں آتا ہے یعنی بچپن کی فنا لڑکپن اور جوانی ہے اور جوانی کی فنا بڑھاپا ہے۔ بڑھاپا فنا ہو جاتا ہے تو ہم دوسرے عالم میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایک پروسیس (Process) ہے جو جاری ہے۔

جس طرح بچپنا مر کر جوانی پیدا ہوتی ہے اور جوانی کے اوپر موت وارد ہونے کے بعد بڑھاپا آتا ہے اسی طرح دنیا کے شب و روز بھی مر رہے ہیں اور پیدا ہو رہے ہیں جس طرح آدمی چاہے تو اپنی زندگی کو مختصر اور چاہے تو اس زندگی کو سو سالوں تک پھیلا لیتا ہے۔ یہی حال دنیا کی زندگی کا بھی ہے۔

www.ksars.org

آج جب ہر طرف ترقی کا فسوں محیط ہے یہ دیکھ کر شدت کرب ہوتا ہے کہ ترقی کے خوشنما اور پر فریب جال میں دنیا کی عمر گھٹ رہی ہے۔ زمین بیمار اور عضو ضعیف کی مانند کراہ رہی ہے، خدارا میرے اور اپنے اوپر رحم کرو۔ مگر کوئی کان ایسا نہیں ہے کہ اس کی سسکتی ہوئی اور غم میں ڈوبی ہوئی آواز کو سنے۔

اپنی برتری حاصل کرنے کے لئے قوموں نے ایسے ایسے ہتھیار بنالئے ہیں کہ جن کے اوپر موت منڈلا رہی ہے اور ان ہتھیاروں کی موت چار ارب انسانوں کی موت کا پیش خیمہ ہے۔ ایک مرتبہ جب کوئی چیز وجود پالیتی ہے تو اس کا استعمال ایک ضرورت بن جاتی ہے۔ آج کے دور میں ایٹم بم بنانا اتنا آسان ہو گیا ہے کہ سو سے زائد افراد کی ایک ٹیم چھوٹی سی فیکٹری میں بیٹھ کر ایٹم بم بنا سکتی ہے۔ جوہری ہتھیاروں کی تیاری اور پھیلاؤ کے سلسلے میں جو زبردست خطرہ کھلی آنکھوں نظر آرہا ہے وہ یہ ہے کہ بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے کہ جب بہت سارے ملکوں کے پاس ایٹمی اسلحے موجود ہونگے اور آئندہ جب دو پڑوسیوں میں جنگ ہوگی تو ان کا استعمال ناگزیر ہوگا۔

ساتھیو ! یہ کیسی ترقی ہے کہ دنیا اس وقت ایٹمی جنگ کے دہانے پر کھڑی ہے اور ہم آتش فشاں کو اپنا مسکن بنائے ہوئے ہیں۔ بالآخر ترقی کا یہ فسوں ایک دن ٹوٹ جائے گا۔ اس سے پہلے بھی ہوتا رہا ہے کہ وہ قومیں جو فنا اور بقا کے فارمولوں سے ناآشنا ہو گئی تھیں زمین پر سے اٹھالی گئیں۔ اور آج ان کا نام و نشان تک باقی نہیں رہا۔ خدارا سوچئے ہم کدھر جا رہے ہیں۔ موت ہمارے تعاقب میں ہے اور ہم اسے ترقی کا نام دے کر خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔ یہ نتیجہ ہے ان اعمال اور کردار کا جو ہمارے اوپر دہشت پا بن کر مسلط ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ "فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ" جو کوئی ایک ذرہ بھلائی کرے گا وہ اسے اپنے سامنے پائے گا اور جو کوئی ایک ذرہ برائی کرے گا وہ بھی اسے اپنے سامنے پائے گا۔ (الزلزال: پارہ ۳۰)

*****

www.ksars.org

ایٹم بم

خالقِ کائنات نے کہا۔ ''میں زمین پر اپنا نائب بنانے والا ہوں۔''

اللہ تعالیٰ کے حضور فرشتوں نے دست بستہ اپنی رائے کا اظہار یوں کیا۔ ''یہ بندہ بشر زمین پر خون خرابے کی ایک علامت بن جائے گا۔''

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی بات سن کر یہ نہیں فرمایا کہ یہ بندہ زمین پر فساد نہیں پھیلائے گا۔ ارشاد ہوا۔ "میں جو جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔" اور آدم کو اپنی صفات کا علم سکھادیا اور اپنے اس شاہکار کو پیش کر کے فرشتوں سے کہا۔ ''بیان کرو، تم اس کے مقابلے میں کتنا علم رکھتے ہو۔''

فرشتے عظمت و جلال سے لرز کر پکار اٹھے۔ ''ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا علم آپ نے ہمیں سکھا دیا ہے بیشک آپ علیم اور حکیم ہیں۔۔۔'' !

فرشتوں کے مطابق آدم فسادی اور فتنا انگیز ہے لیکن اگر اسے علم الاسماء حاصل ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا نائب ہے۔ باالفاظ دیگر اگر آدم زاد اللہ کا نائب نہیں ہے تو یہ جیتا جاگتا شر و فساد ہے۔ شر اور فساد کا قدرتی نتیجہ اللہ سے دوری ہے اور اللہ سے دوری بندے کو خوف اور ملال میں مبتلا کر دیتی ہے۔ خوف زدہ انسان ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ وہ دوسروں کے مقابلے میں خود کو زیادہ باشعور ،زیادہ عقلمند اور زیادہ طاقت ور ثابت کرے۔ دو ہزار سال کے طویل عرصے میں خوف کا یہ جذبہ بتدریج بڑھتے بڑھتے ایک ایسا پہاڑ بن گیا ہے کہ اس کی وسعت کے سامنے زمین کی اپنی کوئی حیثیت باقی نہیں رہی۔ خوف سے نجات پانے کے لئے قوموں نے خود اپنی نوع کو برباد کرنے کے لئے ایسی ایسی اختراعات کیں کہ ان سے زمین کا کلیجہ منہ کو آتا ہے اور پھر اس زبوں کاری کا نام ترقی رکھ کر ساری انسانی کو اضطراب اور بے چینی میں مبتلا کر دیا۔ آدمی نے خود کو برتر ثابت کرنے کے لئے ایسے ایسے ہتھیار تیار کئے کہ دنیا چشم زدن میں بھک سے اڑ جائے گی۔ نوع انسانی کے ان دانشوروں نے جو بلاشبہ اللہ کے نائب نہیں ہیں نت نئے مہلک ہتھیاروں کی ایجاد سے اپنی پیشانیوں کو داغ دار بنا دیا ہے۔ ترقی یافتہ قوم کے باشعور افراد کی رپورٹ سے پتا چلتا ہے کہ اس وقت دنیا میں چالیس ہزار ایٹم بم موجود ہیں۔ دیگر روایتی اسلحوں کا تو کوئی شمار و قطار ہی نہیں۔ یہ ترقی کس لئے ہو رہی ہے، کس کے خلاف یہ ہتھیار بنائے جا رہے ہیں، ان خوفناک ہتھیاروں کے استعمال سے کون تباہ ہو گا، کیا یہ خود اپنے گھر کو آگ لگانے کے مترادف نہیں ہے؟

www.ksars.org

زمین اللہ کی ملکیت ہے، زمین انسانوں کی فلاح و بہبود کا ایک گہوارہ ہے، زمین ہماری جنم بھومی ہے، زمین وہ ہے جس کی کوکھ سے ہمارے لئے قدرت وسائل پیدا کرتی ہے۔ یہ زمین ہی ہے جس کے اوپر لہلہاتے باغ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے دستر خوان بن گئے ہیں۔ ہائے افسوس! جس کوکھ میں ہم پرورش پا کر جوان ہوئے ہیں، ہم ترقی کے نام پر اسی کوکھ کو اجاڑ دینا چاہتے ہیں! یہ کیسی ترقی ہے کہ جس سے رنگ رنگ مناظر، سرو سمن، کوہ دمن، لالہ وصحرا راکھ کا ڈھیر بن جائیں گے! یہ ترقی نہیں تنزل ہے، ابتلاہے، خوف ہے۔ اس بات کا خوف کہ ہماری ہی برادری ہمیں تباہ کر دے گی اور اس تباہی سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایسی کوئی طاقت ہمارے پاس ہو کہ برادری کا دوسرا گروہ ہمیں تباہ نہ کر سکے۔

لیکن قانون اپنی جگہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ جب کوئی چیز وجود میں آجاتی ہے، اس کا استعمال لازمی ہو جاتا ہے۔ یہ جو چالیس ہزار ایٹم بم اور نہیں معلوم کون کون سے بم وجود میں آچکے ہیں ایک روز ضرور پھٹیں گے اور دنیا ترقی کے جگمگاتے دھوکے سے آزاد ہو گی تو زمین پر نہ شجر ہو گا، نہ حجر ہو گا اور نہ ہی خوف زدہ انسانوں کی ترقی کا کوئی ثمر ہو گا۔

خوف زدہ زندگی سے باہر آجایئے۔ پھر یہ بربادی کا سامان مہیا کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی اور زمین کی آغوش بھی ویران نہیں ہو گی جس کا ایک ایک ذرہ ہمارے لئے حیات ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "اللہ کے دوستوں کو خوف ہوتا ہے اور نہ غم۔"

خوف اور غم کا ہونا دوزخ ہے اور اس سے نجات پالینا جنت ہے۔

نئی نسل کے جن پاکیزہ نفس جوانوں نے رمضان المبارک کے احترام میں روزے رکھے اور مساجد میں حضور قلب سے عبادت کی، ان کے اوپر اللہ کی رحمت عام ہوئی اور وہ روحانی فیض سے مستفیض ہوئے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"روزے کی جزا میں خود ہوں۔"

ایسے مقبول بارگاہ، فیض یافتہ تمام حضرات کی خدمت میں یہ فقیر مبارک باد پیش کرتا ہے۔

خوب صورت خوب صورت عید کارڈوں کے ذریعے محبت کرنے والے خواتین و حضرات نے جس طرح اظہارِ عقیدت کیا ہے اس کے لئے میں انتہائی شکر گزار ہوں۔

www.ksars.org

اللہ تعالیٰ ہم سب کو رسول اللہ ﷺ کے مشن کو عام کرنے کے لئے آپس میں متحد رکھ کر اور شیطانی طرز فکر "تفرقہ" سے ہماری حفاظت فرمائے، آمین !

*****

KSARS
www.ksars.org

من موہنی صورت

ہمارا تمہارا خدا بادشاہ-خدا کا بنایا رسولؐ بادشاہ۔

چند دانشور سر جوڑے بیٹھے تھے۔ مسئلہ یہ تھا کہ کشش کیا ہے، کیوں ہے اور اس کا منبع اور مخزن کیا ہے؟

کسی نے کچھ کہا- کسی نے اپنی بات کو ثابت کرنے لئے دلائل پیش کئے۔ ایک صاحب بول پڑے:-

"زمین میں کشش (GRAVITY) ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیب زمین پر گرجاتا ہے۔"

دوسرے صاحب بولے:-

"یہ بھی تو روزمرہ مشاہدے کی بات ہے کہ عارضی طور پر سہی لیکن کششِ ثقل سے آزادی مل جاتی ہے۔ تیز رفتاری بھی کشش ثقل سے آزاد ہونے کا عمل ہے۔"

شہر سے دُور، آبادی سے باہر ویرانے میں لال بجھکڑ رہتے تھے۔ جب مسئلے کا کوئی حتمی حل سامنے نہیں آیا تو لوگ اس لال بجھکڑ کے پاس پہنچے اور درخواست پیش کی۔

"حضرات! یہ کشش کیا ہے؟"

لال بجھکڑ غور و فکر کے سمندر سے گوہر آب دار نکال لائے کہنے لگے:-

"اس وقت ہمارے سامنے جو بھی شئے ہے، وہ خلا ہے۔ بوتل اس لئے بوتل ہے کہ اس میں خلا ہے۔ زمین میں خلا نہ ہو تو بیج کو نشوونما نہ ہو گی۔ بیج کو خلا سے آزاد کر دیا جائے (یعنی دال بنادی جائے) تو زندگی در زندگی درخت کا تصور بھی قائم نہیں ہو گا۔"

آدمی بھی خلا ہے اور اس خلا میں لائف اسٹریم گونجتی (Echo) رہتی ہے۔ کائنات بھی ایک خلا ہے اور اس خلا کا محور ایک ایسی ذات ہے جو خلا کی رگِ جان ہے۔ جب خلا کے ٹکڑے یکجا ہو جاتے ہیں تو مٹی، لوہا، پتھر سونا، چاندی بن جاتے ہیں۔

انہیں تقسیم کر دیا جائے تو ناقابل تقسیم عدد تک تقسیم ہو جاتے ہیں۔

لال بجھکڑ نے مٹی کا ایک ڈھیلا اٹھایا۔ اسے لوگوں کو دکھایا۔ "صاحبو! یہ ڈھیلا اگر زور سے مارا جائے تو کیا چھوٹ لگے گی؟"

لوگوں نے جواب دیا۔ "جی ہاں، چوٹ لگے گی۔"

لال بجھکڑ نے مٹی کے ڈھیلے کو پیس کر سُرمہ بنایا اور پھونک مار کر اسے ہوا میں اڑا دیا لوگوں سے پوچھا:-

www.ksars.org

"مٹی کا ڈھیلا کہاں ہے ؟"

پھر دوسرے کنڈے ایک وزن، ایک حجم کے اٹھائے۔ دونوں کو ایک ساتھ فضا میں اچھال دیا۔ زمین پر دونوں ایک ساتھ نہیں گرے لال بجھکڑ نے کہا۔ "دوستو ! ان دونوں سر کنڈوں کو ایک ساتھ اچھالا گیا تھا۔ جس فضا میں اچھالا گیا وہ بھی ایک ہے اور اچھالنے میں جتنی طاقت استعمال ہوئی وہ بھی یکساں ہے۔ پھر یہ سر کنڈے کیوں ایک ساتھ زمین پر نہیں آئے ؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ شئے کے اندر خلا کا عمل ردوبدل ہوتا رہتا ہے۔"

ہمارا تمہارا خدا بادشاہ، خدا کا بنایا رسولؐ بادشاہ۔

خلا سے اس پار حاکم، قادرِ مطلق ایک شہنشاہ ہے۔ بیٹھے بیٹھے اسے خیال آیا کہ کوئی ایسا نظام قائم کیا جائے کہ لوگ مجھے پہنچانیں ۔خیال کا آنا تھا کہ ارادہ تشکیل پا گیا اور ارادہ 'کن' بن کر ایسی تصویر بن گیا جس کا ہر ہر عضو ایک مکمل اور مجسم تصویر ہے۔

اسکرین نہ ہو تو تصویر ڈسپلے (Display) نہیں ہو گی اور خلا نہ ہو تو اسکرین کا تذکرہ نہیں ہو گا۔ یہ جو ذرہ ذرہ خلا ہے، اس لئے ہے کہ اس میں کوئی بستا ہے۔ بادشاہوں کے بادشاہ، اللہ نے اپنی شان کو نمایاں کرنے کے لئے ہر ذرہ کو خلا بنا دیا ہے اور اس میں خود براجمان ہو گیا ہے لیکن ساتھ ہی اپنے اور ذرے کے درمیان ایک پردہ ڈال لیا ہے۔ ہر چیز پردے کے پیچھے اس من موہنی صورت کے دیدار کے لئے بے قرار ہے اور یہی بے قراری کشش ہے۔ یہی کشش ہی تو ہے آدمی اس کو پانے کے لئے بادشاہتیں چھوڑ دیتا ہے اور یہی وہ کشش ہے جس کو زینہ بنا کر آدمی وہاں پہنچ جاتا ہے جہاں خدوخال (Dimension) نہیں ہیں۔ یہ کشش ہستیِ مطلق سے جس قدر قریب ہوتی ہے اس ہی قدر بندہ اللہ کی بادشاہی میں رکن کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے اور اس کی سوچ بھی اپنے بادشاہ کی سوچ بن جاتی ہے۔ بادشاہ کا بادشاہ اللہ خلا، ٹائم، اسپیس کے تانے بانے سے آزاد ہے۔

ہمارا تمہارا خدا بادشاہ، خدا کا بنایا رسولؐ بادشاہ۔

رسول بادشاہؐ نے اللہ کی بادشاہی میں رُکن کی حیثیت سے کشش کے اس قانون کو شب معراج میں پورا کر دیا ہے، یہاں تک کے خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

''ہم نے اپنے بندے سے راز و نیاز کی جو باتیں کیں۔ دل نے جو دیکھا جھوٹ نہیں دیکھا۔''

*****

www.ksars.org

ریشم کا کیڑا

شعوری آنکھ دورِ جدید دیکھتی ہے تو حیران ہو جاتی ہے۔ اسے انسانی صلاحیتوں اور اس کی اختراعات کا مظاہرہ ششدر کر دیتا ہے۔ زمین یا فضا اس کے دائرۂ بصارت میں آتی ہے تو ایجادات کا لامتناہی سلسلہ سامنے آجاتا ہے۔ خالقِ کائنات کی تخلیق کی ذیلی صناعی اور تخلیق کے شگوفے دھرتی کے اس کونے سے اُس کونے تک نظر آتے ہیں۔

سڑکوں پر دوڑتی ہوئی گاڑیاں، مزید تیز سفر کے لئے ریل اور فضا کا سینہ چیرتے ہوئے ہوائی جہاز جو ہزاروں ٹن وزن لے کر مہینوں اور سالوں کا سفر گھنٹوں اور دنوں میں طے کر لیتے ہیں۔ اور جن کی رفتار آواز کی رفتار سے بھی زیادہ تیز ہے۔ مواصلاتی نظام جن کے ذریعے ایک جگہ کی آواز اور تصویر کسی قابلِ ذکر وقفہ کے ایک سرے سے دنیا کے دوسرے سرے تک پہنچ جاتی ہے۔ حساب کے پیچیدہ مسائل کے حل کے لیے کمپیوٹر جو کئی دنوں کا حساب منٹوں میں کر دیتے ہیں۔ ایٹم کی قوت کا استعمال اور برقی توانائی کے ذریعے روشنی سے جگمگاتے شہر اور صنعتی اداروں گردش کرتے ہوئے پہیے۔ راکٹ، میزائیل اور ان کی تباہ کاریاں خلا میں پہنچنے کی پے در پے کوششیں، لیزر شعاعوں کا جادو، برقیات کی حیرت انگیز ترقی، سرجری اور طب کے شعبوں میں آئے دن کی پیش رفتیں۔ یہ وہ ذیلی تخلیقات ہیں جو دن کے اُجالے اور رات کے اندھیرے میں یکساں متحرک ہیں۔ احسن خالقین کی بہترین تخلیق، انسان رات اور دن کی مسلسل اور ان تھک محنت سے اختراعات کا ایک طویل سلسلہ قائم کرنے میں کامیاب تو ہو گیا ہے لیکن اس نے ایجادات و اختراعات کے جال میں اس بات کو تلاش نہیں کیا کہ اگرچہ وہ ان اشیاء کا خالق ہے لیکن ان کے درمیان خود اس کی حیثیت کیا ہے۔ فطرت کے قوانین کی تسخیر کا دعویٰ کرنے والے انسان کو یہ نظر نہیں آتا کہ وہ خود اپنی بنائی ہوئی اشیاء کے ہاتھوں میں کھلونا بنا ہوا ہے اور خود اپنے بنائے ہوئے جال میں بے بس مکھی کی طرح ہاتھ پیر مار رہا ہے۔ انسان کی پست ذہنی پرواز اس بات کو محسوس ہی نہیں کرتی اس نے جو کچھ بنایا ہے وہ سب اس کے اندر چھپی ہوئی صلاحیتوں کا مظہر ہے۔ لیکن وہ ان صلاحیتوں کو محدود رنگ و روپ دے کر خود ان کا غلام بن گیا ہے۔ فضا کا سینہ چیرنے والے ہوائی جہاز کا خالق اپنی تخلیق کو زمین پر کھڑا بے بسی سے دیکھتا ہے، فضا میں اچھلتا ہے تو گیند کی طرح لڑھک کر گر پڑتا ہے۔ کمپیوٹر جیسی حیرت انگیز مشین کو وجود میں لانے والا آدمی دو اور دو چار کے حساب میں الجھا رہتا ہے۔ آواز کو ہزاروں میل دور پہچاننے والے آلات کے موجد کی سماعت کا یہ حال ہے کہ سو دو سو گز دور کی آواز سننے سے قاصر ہے۔ تصاویر کو ایک شہر سے دوسرے شہر بلکہ فضا سے زمین پر منتقل کرنے والے آلات کے خالق کی

www.ksars.org

بصارت اتنی کمزور ہے کہ کسی دور دراز علاقہ کی بات توالگ وہ اپنے پیچھے دیکھنے سے معذور ہے۔ مظاہر فطرت کی تسخیر کا دعویٰ کرنے والا آدمی آج اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھے اور غیر جانب داری سے جائزہ لے تو وہ اس نتیجے پر پہنچے گا کہ فی زمانہ اس کی ذہنی پریشانی، اعصابی کھنچاؤ، بے چینی اور عدم تحفظ کا احساس اپنے عروج پر ہے۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ فاصلوں کی جکڑ بندیوں میں پھنسے ہوئے انسان کے اندر ایسی صلاحیتیں موجود ہیں کہ زمین کی طنابیں اس کے ہاتھ میں ہیں۔ ایک سیارے سے دوسرے سیارے، ایک نظامِ شمسی سے دوسرے نظامِ شمسی تک کے فاصلے۔ خالقِ کائنات نے اس کو جو بصارت عطا کی ہے وہ مکانی اور زمانی فاصلوں سے ماوراء ہے۔ آدمی کو اس کے بنانے والے نے خلاصہ ٔ کائنات بنا کر اپنی تخلیق کا اعلیٰ ترین نمونہ بنایا ہے لیکن انسان نے خالق کے اس عظیم انعام کی ناقدری کی۔ اس کا کفران کیا۔ اس نے اپنی صلاحیتوں کو پابند کیا، لامکانی اور لازمانی صفات کو چھوڑ کر چھوٹی اور بہت چھوٹی، حقیر اور بہت حقیر مادیت پر اکتفاد کیا اور ریشم کا کیڑا بن کر خود اس میں قید ہو گیا۔ کتنی مضحکہ خیز ہے یہ بات کہ خالق خود اپنی تخلیق کا محتاج ہے۔

آسمانی صحائف میں بتایا گیا ہے کہ وسائل پر حکمرانی یہ ہے کہ ارادہ کے ساتھ وسائل حرکت میں آجاتے ہیں۔ ارادہ کیا ہے ؟ ارادہ رُوح کی لامتناہی تخلیقی صفات کا مظاہرہ ہے۔

اپنے اندر روحانی صلاحیتوں کو متحرک کرنے اور ان سے کام لینے کے لئے ضروری ہے کہ ہمیں کتاب کا علم آتا ہو اور علم کتاب کے وہ فارمولے ہمارے اوپر منکشف ہوں جن کے اوپر یہ ساری کائنات ٹھہری ہوئی ہے۔ جب تک یہ علم حاصل نہیں ہوتا آدمی ادبار کے انبار میں دبا رہے گا مٹی کا خول آدم زاد کا وہ ورثہ ہے جس کے دوش پر بہ حسرت و یاس ہمارے جدامجد آدم جنت (اعلیٰ مقام) سے اسفل (زمین) میں پھینک دیئے گئے تھے۔

اے لوگو! دانشورو! کچھ ہوش و خرد سے کام تو لو یہ کیسی ترقی ہے کہ آدمی خود اپنی نسل کو برباد کرنے کے لئے مسلسل کوشاں ہے اور تباہی کا نام اس نے ترقی رکھ چھوڑا ہے یہ کیسی دانشوری ہے کہ آدم زاد نے ایک ایٹم کی قیمت، لاکھوں آدمیوں سے بڑھادی ہے اور ترقی کے خوش نما پردوں میں ذہنی سکون، اطمینان اور تحفظ کے احساس کو چھپادیا ہے۔

www.ksars.org

پرواز

اے آدم زاد! اپنے حافظے کی اسکرین پر پڑے ہوئے پردوں کو چاک کر دے اور اندر جھانک۔ کیا تجھ کو وہ سہانا زمانہ یاد نہیں آتا جب تو آزاد فضاؤں میں سانس لیتا تھا، بھوک پیاس کی تکلیف تھی نہ دھوپ تجھے ستاتی تھی، نہ کوئی ڈر تھا نہ پریشانی، ملال کیا ہوتا ہے اس سے واقف نہ تھا۔ جہاں سے دل چاہے خوش ہو کر کھاتا تھا۔ زمانی و مکانی فاصلے تیرے پیر کی زنجیر نہ تھے۔ خوشی سے سرشار پنچھی کی طرح لامکانی وسعتوں میں تیری پرواز بان زدِ ملائکہ تھی۔

اے میرے بھائی! ذہن پر ذرا زور تو ڈال، کیا تجھے کچھ یاد نہیں، تو نے کیوں اُن سنہری دنوں کی یاد کو فراموش کر دیا ہے؟ ماضی کے تہ خانے میں دفن یہ یادیں کیا تجھے بے چین و بے قرار نہیں کرتیں؟ کسی پُر فضا مقام پر گزارے ہوئے دن یا کسی صحبت میں بیتے ہوئے چند خوبصورت لمحات کو تو ساری عمر یاد رکھتا ہے لیکن یہ عظیم لمحات کیا تیرے شعور کے دروازے پر کبھی دستک نہیں دیتے؟

اگر تجھے کچھ یاد نہیں آتا، تو سُن! تو نے کفرانِ عظیم کیا۔ تو نے جان بوجھ کر خود کو تکلیف و رنج کے حوالے کر دیا، آزادی کی نعمت کو ٹھکرا کر غلامی کا طوق اپنے گلے میں پہن لیا، پابندیوں کو اپنے پیروں کی بیڑیاں بنالیا۔ یک سوئی کی جگہ شک اور انتشار کو اپنے اندر جگہ دے دی، آزاد پنچھی ہو کر صیّاد کو خود دعوت دی کہ آ، مجھے قید کر لے۔ تو نے اپنی لامتناہی صلاحیتوں کو تناہیت کے اندھیرے غاروں میں دھکیل دیا۔ تیری ان حرکتوں سے آسمان رو دیا۔ اور فرشتوں نے ندامت سے سر جھکا لیا۔

اے آدم و حوا کے سپوت! سنبھل، تجزیہ کر اور اپنی حالت کو دیکھ۔ پابندیوں کے جال نے تجھے اس طرح جکڑا ہوا ہے کہ اب تیرا باہر نکلنا جوئے شیر لانا ہے۔ تجھ پر مصائب کی ایسی یلغار ہے کہ سانس لینا بھی دشوار ہو گیا ہے۔ پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے تو دربدر مارا مارا پھرتا ہے۔ مستقبل کا خوف تجھے ہر وقت لرزاں رکھتا ہے۔ تو خوشی اور راحت کی ضمانت چاہتا ہے لیکن کہیں سے نہیں ملتی۔

اور دیکھ! تو نے آزادی اور مسرت کی حقیقی قدروں کو سمجھنے کے بجائے جو فرضی قدریں اپنے اوپر مسلط کر لی ہیں، ان کے نتائج اس قدر ہولناک ہیں کہ چند لقموں کے لئے تو اپنے بھائی کی گردن کاٹنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ ترقی کے خوشنما لبادوں میں محجوب دھرتی کو تو نے سُرخ خون سے رنگین کر دیا ہے۔ مصائب کے اندھیرے گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔ روشنی کی کرنیں معدوم ہوتی جا رہی ہیں۔ تیرے اوپر خود فراموشی کا اتنا غلبہ ہے تو نے اپنی عظمت کو گہنا دیا ہے۔ تو اللہ کا نائب ہے لیکن مادیت اور کثافت نے تجھے لطافت اور پاکیزگی سے محروم کر دیا ہے۔

www.ksars.org

آدم کے بیٹے! تونے اپنی ابدی اور لافانی زندگی کو تہ در تہ پردوں کے پیچھے چھپا تو لیا ہے اور اسے اپنے اندر دفن بھی کر دیا ہے لیکن میں تجھے کبھی معاف نہیں کروں گا۔ تجھے جھنجھوڑتا رہوں گا۔ چاہے تو متوجہ ہو یا نہ ہو۔

قدرت کی فیاضی شاہد ہے کہ اس نے مادی خدوخال سے مرکب اپنے پیغامبر تیرے پاس بھیجے اور تجھے بار بار تیرے وطنِ مالوف کی طرف لوٹنے کی تلقین کی لیکن تو نے ہمیشہ ناشکری کی۔

اے آدم زاد! میری بات پر دھیان دے۔ میں جو تیرا ضمیر ہوں، تیرے اندر کی آواز ہوں______________ تیرے باطن کی پکار ہوں۔ دیکھ، میرا گلا نہ گھونٹ، میری طرف متوجہ ہو ورنہ اسی طرح مصائب کے اندھیروں میں بھٹکتا پھرے گا۔ اور اندھوں کی طرح ٹھوکریں کھاتا رہے گا۔

اے فرزند آدم ! اپنے گلے میں پڑے ہوئے غلامی کے طوق کو اتار پھینک۔ زمان و مکان کی مفروضہ پابندیوں کے جال کو کاٹ دے غم و آلام کے بجائے خوشی اور مسرت کا لبادہ اوڑھ لے۔ یہ جو تو نے ہزاروں بت سجا رکھے ہیں اور ان کی بندگی میں مصروف ہے کہ کوئی دولت کا خدا ہے، کوئی عزت و شہرت کا تو کوئی جھوٹی خواہشات کا خدا ہے۔

آگے بڑھ اور ابراہیمی گُرز سے انہیں پاش پاش کر دے اور آزادی کا مزہ چکھ لے جو تو اپنی غلطی سے کھو بیٹھا ہے۔ اس تیرہ و تاریک عالم سے نظریں ہٹا کر اس روشن دنیا کو بھی دیکھ جہاں آزاد فضا تیری منتظر ہے۔ قرآن پکار پکار کر کہہ رہا ہے "اے آدم! تو اور تیری بیوی (دونوں) جنت میں سکون کے ساتھ رہو اور جہاں سے دل چاہے خوش ہو کر کھاؤ۔"

*****

www.ksars.org

روشنیوں کا اسراف

یہ بات کون نہیں جانتا کہ کائنات میں موجود ہر شئے پیدا ہوتی ہے، نشو و نما پاتی ہے، اپنے عروج کو پہنچتی ہے اور پھر شئے کا انحطاط کا دور آتا ہے اور بتدریج تیزی کے ساتھ یا کچھ زیادہ وقفہ کے بعد شئے انجامِ کار فنا ہو جاتی ہے۔ بالکل یہی صورت حال آدمی کی بھی ہے آدمی پیدا ہوتا ہے، معصومیت کے دور سے گزر کر شعور کی دنیا میں قدم بڑھاتا ہے اور شعوری زندگی کو معراج سمجھنے والا ذی ہوش، عاقل و بالغ انسان گھٹنا شروع ہوتا ہے اور ایک ایسا دور آتا ہے کہ اعصاب انسانی عمارت کا بوجھ اٹھانے کا خود کو اہل نہیں سمجھتے اور جب انسانی عمارت اینٹ پتھر (ہڈیوں کا پنجر) چونا اور گارا (اعصاب و عضلات)، پلاسٹر (گوشت) اور رنگ و روپ (کھال) اپنی طاقت کھو بیٹھتے ہیں تو یہ عمارت دھڑام سے زمین بوس ہو جاتی ہے۔

حرکت کے قانون کے مشاہدے سے یہ کلیہ سامنے آتا ہے کہ ہر حرکت کرنے والی چیز میں کوئی چیز ذخیرہ ہوتی ہے اور یہ ذخیرہ جب اس کے اندر جلتا ہے تو یہ چیز حرکت کرتی ہے۔ موٹر کار یا ہوائی جہاز میں پٹرول جلتا ہے، لالٹین میں کروسن آئل جلتا ہے، تیز روشن بلب میں بجلی جلتی ہے اور آدمی کے اندر انرجی کیلوریز (Callories) بن کر خرچ ہوتی ہے۔ جتنی زیادہ کیلوریز ذخیرہ ہوتی ہیں، آدمی اسی مناسبت سے زیادہ طاقتور، زیادہ فعال اور زیادہ خوبصورت نظر آتا ہے، کیلوریز میں جس مناسبت سے کمی واقع ہوتی ہے اسی مناسبت سے انسانی صحت متاثر ہوتی رہتی ہے۔ جس طرح ایک گاڑی پٹرول کے ترسیل نہ ہونے سے جھٹکے کھانے لگتی ہے، آدمی بھی اسی طرح گرتا اور اٹھتا رہتا ہے۔ یہ گرنا اور اٹھنا اس کی اعلیٰ یا اسفل صحت کی نشاندہی کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان کے بموجب آدمی کو سڑے ہوئے گارے اور کھنکھناتی مٹی سے بنایا گیا ہے۔ اس ناقابلِ تذکرہ شئے میں اللہ نے اپنی رُوح ڈال دی اور یہ ایک ایسا کھلونا بن گیا کہ سنتا بھی ہے، دیکھتا بھی ہے، چکھتا بھی ہے، محسوس بھی کرتا ہے۔ آدمی کا چلنا پھرنا، سونا جاگنا، کھانا پینا، اختیار استعمال کرنا یہ سب اسی وجہ سے ہے کہ اس کے اندر روشنیاں ذخیرہ کر دی گئیں۔ روشنیوں کا اسراف بے جا اسے جلدی نڈھال کر دیتا ہے اور روشنیوں کا وافر ذخیرہ اسے زیادہ دیر تک صحت مند اور فعال رکھتا ہے۔ کوئی آدمی جتنا زیادہ دنیاوی معاملات میں مصروف رہتا ہے اتنا ہی اس کے اندر سکون اور اطمینانِ قلب کم ہوتا ہے۔

دنیاوی آسائش و آرام کی حیثیت اپنی جگہ اہم سہی لیکن قانونِ قدرت یہ ہے کہ جب انسان کسی ایک چیز کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ چیز انسانی دماغ پہ نمودار ہو کر ڈسپلے (Dispaly) ہوتی ہے اور اس ڈسپلے میں وہ روشنیاں خرچ ہوتی ہیں جو ذخیرہ ہیں اور جس ذخیرے کو انسانی دماغ کے دو کھرب خلیات جنریٹ (Generate) کر رہے ہیں۔

www.ksars.org

اگر ایک گھر کے چار کمروں میں سے ایک کمرے کے اندر دس چیزیں ہیں مثلاً صوفہ سیٹ، ریڈیو، ٹی وی، میز اور دوسرے سامانِ تزئین و آرائش۔ اور دوسرے کمرے میں صرف ایک بیڈ ہے تو کمرے کی دس چیزوں پر جب ہماری نظر پڑتی ہے تو ہمارے اندر سے ذخیرہ شدہ روشنیاں ان دس چیزوں کو دماغی اسکرین پر ڈسپلے کرتی ہیں یعنی روشنی ایک چیز کے لئے خرچ ہونی چاہئے تھی اس کا خرچ دس گنا بڑھ جاتا ہے۔

عام مشاہدہ یہ ہے کہ سیدھے سادے آدمی کی صحت زیادہ اچھی اور عمر طویل ہوتی ہے جب کہ دنیاوی جھمیلوں میں "بند ذہن" آدمی کی صحت کمزور ہوتی ہے اور اس کی عمر بھی کم ہوتی ہے۔ بات یہی ہے کہ ایک آدمی کے اندر ذخیرہ شدہ روشنیوں کا خرچ کم ہے اور دوسرے آدمی کے اندر روشنیوں کا (ذخیرہ شدہ) خرچ زیادہ ہے۔ سب جانتے ہیں کہ زیادہ خرچ کرنے والا آدمی قلاش ہو جاتا ہے۔

روحانی نقطۂ نظر سے جب کوئی بچہ بطنِ مادر سے زمین کی بساط پر آتا ہے تو اس کے اندر پانچ ہزار سال کی عمر گزارنے کے لئے روشنیوں کا ذخیرہ ہوتا ہے جس کو وہ اپنی نادانی، جھوٹے وقار اور خود نمائی کے عمل سے اتنا زیادہ خرچ کر دیتا ہے کہ پانچ ہزار سال کی عمر پچاس یا ساٹھ سال کی عمر بن جاتی ہے۔ یعنی پانچ ہزار سال زندہ رہنے والا آدمی اپنی عمر کا اسراف بے جا کر کے پچاس یا ساٹھ سال میں اُسے ختم کر دیتا ہے۔

قانون یہ ہے کہ مطمئن اور پر سکون آدمی کی صحت اچھی رہتی ہے، اسے بھوک خوب لگتی ہے، نیند کی میٹھی آغوش ہمیشہ اس کی منتظر رہتی ہے اور وہ زیادہ دیر زندہ رہتا ہے۔ انتشار اور ذہنی خلفشار میں مبتلا آدمی کے اندر ضرورت سے بہت زیادہ کیلوریز خرچ ہو تی ہیں۔ پیٹ کی آگ بھی اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے اور مگر اس کو بھڑکانے کے لئے اور پھر بجھانے کے لئے اسے دواؤں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ سونا تو وہ چاہتا ہے کہ نیند اعصابی توانائی کے لئے بہترین ٹانک (TONIC) ہے لیکن نیند اسے نہیں آتی۔ ہر ذی روح کی طرح اس کے اندر سے بھی خوشی ابلنا چاہتی ہے مگر غم و آلام و کثرتِ سُود و زیاں کے تاثرات یہ خوشی باہر نہیں آنے دیتے پھر وہ ایک چہرے پر ملمع شدہ کئی چہرے سجا کر اپنے اندر کا کرب چھپاتا ہے۔ اس کرب میں کیلوریز کا خرچ اپنی انتہاء کو پہنچ جاتا ہے اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ بہ صد حسرت و یاس الدُّنیاوَالاٰخِرۃ کے مصداق اُس عالم کو بے مراد سدھار جاتا ہے جہاں کاروبار ہے، نہ فیکٹریاں ہیں نہ عالیشان محلات۔۔۔ البتہ اس کے مقدر کا سارا سرمایہ ۲ فٹ x ۳ فٹ ایک بے آب و گیاہ گڑھا بن جاتا ہے اور زیادہ عرصہ نہیں گزرتا کہ اس دنیا پرست آدمی کے جسم کے ذرات کو چرند پرند اور عام لوگ پیروں میں روندتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔

*****

www.ksars.org

مٹی کا شعور

سوچ کی دو طرزیں ہمارے سامنے ہیں۔ایک طرز یہ ہے کہ دنیا میں زندہ رہنے کے لئے ہم اپنے ارد گرد کے ماحول سے متاثر ہو کر وسائل کے انبار میں خود کو قید کر لیتے ہیں اور ہمارے سامنے آسائش و آرام اور روٹی کپڑے کے علاوہ دوسری کوئی بات نہیں آتی اور اسی کو ہم زندگی کا مقصد سمجھتے ہیں۔

دوسری طرز یہ ہے کہ اعتدال کی زندگی گزارنے کے ساتھ ساتھ ہم یہ سوچتے ہیں کہ اس مادی دنیا میں ہم نے کیا پایا اور کیا کھویا ہے۔دنیا میں عزت و جاہ کا خوش نما لباس زیب تن کرنے کے لئے ہم دولت جمع کرتے ہیں۔اس دولت کی تشہیر کے لئے عالیشان محلات کھڑے کرتے ہیں۔گھروں میں تزئین و آرائش کے ایسے ایسے سامان رکھتے ہیں جن سے اس بات کا اظہار ہو کہ ہماری اپنی ایک حیثیت ہے۔

جہاں تک دولت کے انبار جمع کرنے سے عزت و توقیر کے حصول کا تعلق ہے یہ ایک خود فریبی ہے،ایسی خود فریبی جس سے ایک فردِ واحد بھی انکار نہیں کر سکتا۔فراعینِ مصر کے محلات، قارون کے خزانے ہمیں بتا رہے ہیں کہ دولت نے کبھی کسی کے ساتھ وفا نہیں کی۔تاریخ خود کو دوہراتی رہتی ہے اور ہر زمانے میں دولت کی حقیقت کو ہمارے اوپر آشکار کرتی رہتی ہے۔بڑے بڑے شہنشاہوں کے حالات سے کون واقف نہیں ہے۔ایسا بھی ہوا ہے کہ پوری شان و شوکت اور شاہی دبدبہ کے باوجود مادرِ وطن میں قبر کے لئے جگہ بھی نصیب نہیں ہوئی۔

سونے چاندی کے ذخیروں اور جوہرات کے ڈھیر نے دنیا کے امیر ترین آدمیوں کے ساتھ کتنی وفا کی؟ کیا یہ حقیقت ہمارے لئے درسِ عبرت نہیں ہے؟

مٹی صرف خود کو پہچانتی ہے اور اپنے ایک ایک عضو کو اپنی کوکھ سے وابستہ رکھتی ہے۔مٹی کو اگر ایک فرد مان لیا جائے تو مٹی سے بنی ہوئی ہر چیز مٹی کے اعضاء ہیں،تانبا،لوہا،جوہرات، سونا،چاندی وغیرہ مٹی کے وہ اعضا ہیں جن پر مٹی کا تشخص قائم ہے۔آدمی کا جسم بھی مٹی سے مرکب ہے لیکن آدمی چونکہ اللہ کی امانت کا امین ہے،اس لئے مٹی کا شعور آدمی کو دوسرے اعضا کے مقابلے میں اپنا

www.ksars.org

قلب سمجھتا ہے اور جب کسی جسم میں قلب متاثر ہو جاتا ہے تو بالآخر جسم مفلوج اور ناکارہ بن جاتا ہے ۔ مفلوج اور ناکارہ جسم کی حیثیت زمین پر بوجھ کے سوا کچھ نہیں رہتی۔

یہ بات کس کے علم میں نہیں ہے ؟ آدمی چاہے تو پچاس کمروں کا مکان بنالے لیکن سوئے گا وہ ایک ہی چارپائی کی جگہ۔ چاہے تو ہوسِ وزر میں سونے چاندی (مٹی کے ذرات) سے خزانے بھرلے لیکن پیٹ کے ایندھن کو پورا کرنے کے لئے اسے دو ہی روٹی کی ضرورت پڑتی ہے۔ ماحول کو مصنوعی روشنیوں اور خوشبوؤں سے کتنا ہی رنگین اور معطر کر لیا جائے آدمی کے اندر کی سڑاند کا یہ نعم البدل نہیں ہو سکتا۔

زمین کی فطرت ہے کہ وہ اپنی اولاد کو صاف ستھرا دیکھنا چاہتی ہے اور صاف ستھرا رکھتی ہے اور جب اولاد تعفن سے نکلنا نہیں چاہتی تو وہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتی ہے اور اس ادبار کی وجہ سے انسان گھناؤنا اور ناسور زدہ ہو جاتا ہے۔ بلاشبہ کسی بندہ کے لئے اس سے بڑا دردناک عذاب اور کوئی نہیں۔ قرآن کہتا ہے :۔

”اور وہ لوگ جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ کے لئے خرچ نہیں کرتے، ان کے لئے عَذَابُ اَلِیم کی بشارت ہے۔“

*****

www.ksars.org

میٹھی نیند

صدیوں سے زمین پر ہونے والی تبدیلیاں اس بات کی شاہد ہیں کہ زندگی کے ادوار، زمانہ کے نشیب و فراز اور سائنسی ایجادات زمین کے سینے پر محفوظ ہیں۔ زمین یہ بھی جانتی ہے کہ کتنی تہذیبوں نے اس کی کوکھ سے جنم لیا اور پھر یہ تہذیبیں معدوم ہو گئیں۔ خلا سے اُس پار آسمانوں کی وسعتوں میں جھانک کر دیکھا جائے تو مایوسیوں، ناکامیوں اور ذہنی افلاس کے سوا ہمیں کچھ نظر نہیں آتا یوں لگتا ہے کہ زمین کے باسیوں کا اپنی ذات سے فرار اور منفی طرزِ عمل دیکھ کر نیلے پربت پر جھل مل کرتے ستاروں کی شمع امید کی لو مدھّم پڑ گئی ہے۔ وہ انسان جو اشرف المخلوقات ہونے کا دعویٰ کرتا ہے ذہنی اعتبار سے حیوانات سے بدتر زندگی گزار رہا ہے۔ جو سکون ایک بلی اور بکری کو حاصل ہے اس کا عشرِ عشیر بھی انسان کو میسر نہیں۔

تخلیق کرنے والوں میں بہترین تخلیق کرنے والی ہستی، خود مختار خالق نے اس دھرتی کو ایک قطعہَ زراعت بنا کر آدمی کے حوالے کیا ہے کہ وہ اس کے سینے پر سر رکھ کر میٹھی نیند سو سکے۔ اس ہی لئے اس کی تخلیق کا ظاہری جسم اسی مٹی سے بنایا گیا اور اس کے استعمال کی ہر چیز مٹی سے بنائی گئی ہے۔ زمین کو قدرت نے اتنا سخت نہیں بنادیا کہ آدم زاد اس پر چل نہ سکے، اتنا نرم نہیں بنایا کہ آدم زاد کے پیر اس میں دھنس جائیں۔ اسے اختیار دیا گیا کہ وہ زمین پر تصرف کر سکے اور زمین کے جسم میں دوڑنے والے خون (RAYS) سے جس طرح چاہے استفادہ کرے۔ لاکھوں کروڑوں سال کے پہلے آدم کی طرح آج بھی آدم زاد زمین کے سینے پر کھیتی کرنے میں مصروف ہے۔ اس کھیتی کا ہر جزو آدم کی طرح مٹی ہے۔ جو کچھ بوتا ہے اس کا بیج بھی مٹی ہے۔ پودا بھی مٹی کی ایک شکل ہے درخت بھی مٹی کے اجزاء سے مرکب ہے اور یہ جو پُر شکوہ عمارتیں ہمیں نظر آتی ہیں، یہ بھی مٹی ہیں۔ بڑی سے بڑی ایجادات کا بنیادی مسالا (RAW MATERIAL) بھی مٹی ہے۔

آدمی جس طرح سرسبز درخت اور ہرے بھرے اور لہلہاتے کھیت اگاتا ہے، اسی طرح عمارتیں، تعمیرات اور دیگر اشیاء بھی اس کی زراعت کی پیداوار ہیں۔

آدمی مٹی بوتا ہے اور مٹی سے ہی نتائج حاصل کرتا ہے۔ بوائی اور کٹائی کا یہ عمل متواتر اور مسلسل جاری ہے کیوں کہ وہ اس زراعت کا فعال رکن ہے اور اسے ارادے کا اختیار دیا گیا ہے۔ اس لئے فصل بھی اسی کے مطابق ہوتی ہے۔ عمل اور ردعمل، حرکت اور نتائج کے اس قانون کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے "دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔"

www.ksars.org

قول و فعل میں تضاد کا عالم یہ ہے کہ ہر آدمی جانتا اور کہتا ہے کہ زمین پر وقفہ ء زندگی محدود ہے لیکن اس کا عمل اس روزمرہ مشاہدہ کے خلاف ہے۔ وہ تمام تر زندگی اس خطوط پر گزارتا ہے جو فطرت کے اٹل قانون کے منافی ہیں۔ تخریب کا نام اس نے ترقی رکھا اور فلاح و بہبود کے طلسمی نام پر مستقبل کی ناخوش گواریوں کو جنم دیتا ہے۔ روشن نگاہ کا دعویٰ کر کے جو کچھ کرتا ہے وہ بدترین درجہ کی کوتاہ اندیشی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ سبحان اللہ ! کیا خوب منظر نگاری ہے۔ ایٹم بم کو ترقی کا نام دے کر انسان کی اعلیٰ صلاحیتوں کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے۔ یہ کوئی نہیں سوچتا فلاح و بہبود کے دعویداروں نے ایک ایٹم بم کو لاکھوں قیمتی جانوں پر فضیلت بخشی دی ہے۔ انسان قدرت کی دی ہوئی صلاحیتوں کا امین ہے لیکن اس نے ان صلاحیتوں کو حرص و ہوس، خود غرضی اور انا پرستی اور خود نمائی جیسے جذبات کی تسکین میں اپنی ذات تک محدود عمل کے نتیجے میں آدمی کی ساری توجہ اس فانی دنیا میں مرکوز رہتی ہے۔ اور اس کے اعمال کی بنیاد بھی فانی دنیا کی طرح فنا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جب وہ دنیا بوتا ہے تو اسے دنیا ہی کاٹنا پڑتی ہے۔ چونکہ دنیا فانی ہے ،اس لئے اس کے حصے میں فنا کے علاوہ کچھ نہیں اور وہ بقا کی زندگی سے جس میں سکون ہے، راحت ہے، محرُوم ہو جاتا ہے۔

*****

KSARS
www.ksars.org

دادی اماں

دادی اماں اتنی خوبصورت تھیں کہ پورے خاندان میں ان کی خوبصورتی ضرب المثل تھی۔ اتنی نیک تھیں کہ ان کی نیکی اور پاکیزگی کے چرچے عام تھے۔ اتنی سگھڑ اور سلیقہ شعار تھیں کہ مائیں اپنی بیٹیوں کو ان کی نگرانی میں دینا اپنے لئے فخر سمجھتی تھیں۔ میں نے انہیں اس وقت دیکھا کہ جب ان کے منہ میں ایک بھی دانت نہیں تھا۔ پوپلے منہ اور چہرہ پر جُھریوں کو دیکھ کر ایک گل دستہ کا گمان ہوتا ہے۔ پن کیٹا میں کُوٹ کو پان کھاتی تھیں۔ پان جب رنگ جماتا، چہرے کی تمام جھریاں رنگ رنگ ہو جاتیں۔ میدہ اور شہد جیسے سفید اور سنہرے رنگ پر یہ سرخ رنگ ایسا سماں پیدا کرتا کہ دیکھنے والا محوِ حیرت ہو جاتا اور وہ حُسنِ لم یزل کی تعریف میں گم ہو جاتا۔

میں نے شعور کے زینے پر پہلا قدم رکھا تو یہ دیکھا کہ دادی اماں کی گود میں ہوں اور دادی اماں اللہ کے کلام کے وِرد میں مگن ہیں۔ یہ بھی دیکھا کہ رات کو سونے سے پہلے کلمہ شہادت پڑھوایا جا رہا ہے اور پھر صبح بیدار ہونے کے وقت لازم تھا کہ آنکھ کھلتے ہی کلمہ َطیبہ پڑھا جائے۔

دادی اماں کہانیاں بھی سناتی تھیں۔ ہر کہانی کا ایک ہی مفہوم ہوتا تھا کہ ہمارا تمہارا خدا بادشاہ، خدا کا بنایا رسول ﷺ بادشاہ۔ اللہ نے اپنے رسولؐ بادشاہ کے پاس فرشتہ بھیجا اور فرشتہ سے کہلایا۔ ''ہمارے پیارے محمد ﷺ ! تم پریشان نہ ہو، تمہارے لئے مکہ کے سارے پہاڑ سونے کے بنا دیتے ہیں۔''

اللہ کے رسول، ہمارے حضور ﷺ نے کہا۔ ''نہیں، میں اپنے غریب بھائیوں کے ساتھ خوش ہوں مجھے دنیا نہیں چاہئے۔''

میں نے پوچھا۔ ''اماں! یہ فرشتہ کیا ہوتا ہے؟''

"بیٹا! فرشتہ بھی ہماری طرح اللہ کی بنائی ہوئی مخلوق ہے لیکن وہ اچھے اچھے کام کر کے فرشتہ بن گیا ہے۔''

"اماں! آپ نے فرشتہ دیکھا ہے؟''

نہیں، میں نے ابھی تک دیکھا تو نہیں لیکن سنا ہے کہ وہ جگ مگ کرتی روشنیوں سے بنا ہوا ہوتا ہے۔ جب وہ اُڑتا ہے تو اس کے پروں میں سے چاند، سورج اور ستاروں کی طرح روشنیاں نکلتی ہیں۔''

''اماں! آپ نے ہمارے حضورؐ کو دیکھا ہے؟''

www.ksars.org

"ہاں بیٹے، دیکھا ہے، ایک بار۔"

"اماں! ہمارے حضورؐ کیسے ہیں؟"

"بیٹے، چاند کی طرح اتنے خوبصورت اتنے خوبصورت کہ بس اللہ ہی جانے۔"

تمام دانش وراس بات پر متفق ہیں کہ بچے کی تربیت کا پہلا گہوارہ اس کا گھر ہوتا ہے۔ بچہ جو سنتا ہے وہی بولتا ہے، جو دیکھتا ہے وہی اس کا علم بن جاتا ہے۔ آج کے دور میں ہم نہیں دیکھتے کہ دادی اماں نے کبھی یہ کہا ہو کہ ہمارا تمہارا خدا بادشاہ، خدا کا بنایا رسولؐ بادشاہ۔ دن رات گانوں کی آوازیں ہمارے اعصاب پر محیط رہتی ہیں۔ رات کو سونے سے پہلے کوئی ماں اپنے بچوں کو تلقین نہیں کرتی کہ کلمۂ شہادت پڑھ کر سونا چاہئے، نہ کوئی باپ اپنی اولاد کو بیدار ہونے کے بعد کلمۂ طیبہ پڑھنے کو کہتا ہے۔ کوئی نہیں سمجھاتا کہ دولت پرستی نوعِ انسانی کی زندگی کے لئے ناسور (CANCER) ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جب قوموں میں دولت پرستی عام ہو گئی، وہ قومیں صفحۂ ہستی سے مٹادی گئیں۔ قومیں گناہوں سے نیست و نابود نہیں ہوتیں کہ گناہ تو معاف کر دئے جاتے ہیں۔ شرک ایک ایسا گناہ ہے جو کسی صورت معاف نہیں کیا جا سکتا۔ اور دولت پرستی سب سے بڑا شرک ہے۔ اس شرک کو مہمیز دینے والے بڑے عوامل میں سے ایک بڑا گھناؤنا عمل سُود ہے۔ سُود، جو رزق کو حرام کر دیتا ہے۔

دادی اماں اور نانی اماں ہمیں یہ کیوں نہیں بتاتیں کہ حرام رزق کھانے والے کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔ حرام روزی کھانے والے کی نماز ہوتی ہے اور نہ اس کا حج ہوتا ہے۔ ہمارے بزرگ اس بات کا رونا روتے رہتے ہیں کہ نوجوان نسل بگڑ گئی ہے۔ اس کے اندر اخلاقی قدریں باقی نہیں رہیں۔ نوجوان نسل میں بزرگوں کا وہ احترام باقی نہیں رہا جو آج سے چالیس سال پہلے تھا۔ لیکن ہم بحیثیت بزرگ کے اپنے گریبانوں میں منہ نہیں ڈالتے کہ ہم نے اسلاف کے خون سے سینچی ہوئی قدروں کو پامال کر دیا ہے۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ اولاد والدین کے چشم وابرو کو دیکھ کر کام کرتی تھی۔ اور آج کا زمانہ بھی ہمارے سامنے ہے کہ اولاد سے والدین ڈرنے لگے ہیں۔

یہ سب اس لئے ہے کہ والدین اولاد کی تربیت ان خطوط پر نہیں کرتے جن خطوط پر ہماری تربیت ہوئی تھی۔ آج کی ماں جب دادی بنتی ہے، اس کے پاس لوری نہیں ہوتی جو بچہ کے شعور کو اللہ اور اس کے رسولؐ سے آشنا کرتی ہے۔ آج کی ماں جب نانی بنتی ہے تو بلا شک و شبہ اس کے اندر وہ قدریں پوری طرح کام نہیں کرتیں جو قرآن و سنت سے ہم آہنگ ہوں۔ جب کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہماری نوجوان نسل اسلاف کے نقوشِ قدم پر اپنی زندگی تعمیر کرے۔ یقیناً یہ طرزِ فکر ایسی دو عملی ہے جس کا نتیجہ خسر الدنیا والاخرۃ کے علاوہ کچھ اور مرتب نہیں ہوتا۔

یاد رکھئے!

www.ksars.org

قیامت کے روز یہ سوال نہیں کیا جائے گا کہ ہم نے اپنی اولاد کو کس قسم کے کھانے کھلائے ہیں اور کیا لباس پہنایا ہے۔ وہاں پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنی اولاد کی تربیت کیسے کی تھی؟ صحیح تربیت کرنے والے والدین سُرخرو ہوں گے۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جو انعام یافتہ ہیں۔

KSARS
www.ksars.org

ننھی منی مخلوق

یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں ابھی شعور کی منزل پر نہیں پہنچا تھا جہاں عقل کی بھٹی میں تپ کر آدمی انسان بن جاتا ہے۔ لیکن یہ سوچ میرے اعصاب کو ہلکان کر رہی تھی کہ زندگی کا مقصد کیا ہے۔ تفکر کے ڈانڈے زندگی، بندگی سے ہم آغوش ہوتے تھے تو یہ حقیقت سامنے آتی تھی کہ زمین پر پھیلی ہوئی صناعی (مخلوق) کائناتی نظام میں ایک قدرِ مشترک رکھتی ہے۔ بھوک پیاس کے تقاضے جس طرح آدمی کے اندر رواں دواں ہیں بالکل اسی طرح دوسری مخلوق بھی ان تقاضوں کی تکمیل میں سرگرداں ہیں۔ پیدائش کا عمل چیونٹی کی نوع میں بھی قائم ہے اور آدمی میں بھی۔ بچوں کی نگہداشت اور پرورش کا اہتمام ایک بلی بھی کرتی ہے، ایک چوہا بھی کرتا ہے اور ایک آدمی بھی۔ جہاں تک تربیت کا تعلق ہے ہر نوع ایک مخصوص طرزِ فکر (THOUGHT) میں خود کو پابند کئے ہوئے ہے______ حصولِ معاش میں صبح دَم چڑیا بھی مصروف عمل ہو جاتی ہے اور ہاتھی بھی۔ میں نے خود دیکھا ہے کہ ایک گائے کا بچہ مر گیا اور گائے تین دن تک اپنی بڑی بڑی سرمئی آنکھوں سے آنسو بہاتی رہی۔ یہ منظر بھی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوتا کہ ایک گائے تخلیقی عمل کے وقت شدید "دردِ زہ" میں مبتلا ہے اور ولادت ایک مرحلہ بنا ہوا ہے۔ ایک ہندو عورت نے جو ممتا کے جذبات سے سرشار تھی، اعلان کیا:

''گائے کو کمرہ میں بند کر کے دروازہ باہر سے بند کر دیا جائے۔''

کچھ دیر کے بعد کمرہ کھولا گیا تو گائے انتہائی شفقت سے اپنے بچے کو چاٹ رہی تھی۔ ان کی آنکھوں میں ممتا کی ایسی چمک تھی جو میں نے اپنی ماں کی آنکھوں میں دیکھی ہے۔ عقدہ یہ کھلا کہ گائے میں بھی شرم و حیا کا تصّور موجود ہے۔

کسی صاحب نے آدمیت کا مظاہرہ کر کے کہ ایک کوّے کو گولی کا نشانہ بنا دیا تو نہیں معلوم کہاں سے سینکڑوں کوّے آموجود ہوئے اور پھر جو انہوں نے بین کرنا شروع کیا تو کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ اور اظہار غم کا یہ طریقہ سوئم تک جاری رہا۔

روئی کے رنگ گالوں کی طرح خوبصورت بچوں کے ساتھ مرغی بڑی شان اور پُر وقار انداز میں اِدھر سے اُدھر ٹہل رہی تھی کہ چیل کی آواز نے فضا کا سکون درہم برہم کر دیا۔ بچوں کی ماں، مرغی نے خطرہ محسوس کیا اور اپنی زبان میں بچوں سے کہا۔'' آؤ، آؤ! چھپ جاؤ ماں کی آغوش ہی تمہاری جائے پناہ ہے۔''

www.ksars.org

پھول جیسے من موہنی صورت والے معصوم بچے خوف زدہ ہو کر دوڑے، مرغی نے اپنے پر پُھلا دیئے اور انہیں اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔

چڑیا سے بھی ایک بہت چھوٹے پرندے پر نظر پڑی۔ اس کا گھر بھی دیکھا۔ گھر کیا تھا، ایک گنبد نما محفوظ محل تھا____ الگ الگ کمرے، کمروں میں بیڈ روم، (BEDROOM) بیڈ روم میں روشنی کا انتظام________ جی ہاں، اس گھر میں جھولا بھی ہے کہ بچوں کے لئے گہوارہ بھی ضروری ہے۔ مضبوط اتنا کہ آندھی طوفان اس کے سامنے بے بس، اندر سے ایئر کنڈیشنڈ (AIR-CONDITIONED) معلومات حاصل کرنے پر پتہ چلا کہ یہ گھر ''بیا'' کا ہے اور پرندوں میں اس کا مقام سول انجینئر کا ہے چھوٹا سا پرندہ، جسمانی ساخت میں چڑیا کی طرح، قد و قامت میں چڑیا سے چھوٹا، مگر دماغ ہاتھی سے زیادہ طاقت ور۔ فنون لطیفہ کے ماہر اس پرندہ کے اندر عقل و شعور کا عالم یہ ہے کہ ہلاکت خیز ایجاد، ایٹم بم، کا موجد انسان برسوں میں ریاضت کرے تو اس قسم کا مکان تعمیر نہیں کر سکتا۔

یہ اور اس قسم کے بے شمار حقائق پر مبنی مشاہدات نے عقل کو مہمیز دی اور نتیجہ یہ اخذ ہوا کہ عقل کا تعلق ڈیل ڈول سے نہیں ہے اور نہ ہی عقل صرف آدم زاد کی میراث ہے۔

سوچ کے دھارے سمندر بن گئے تو یہ خیال دامن گیر ہوا کہ آدمی اور حیوان میں "حدِ امتیاز" کیا ہے۔ اگر آدمی کا شرف یہ ہے کہ وہ ایجادات کرتا ہے تو ایجادات کا عمل چھوٹے بڑے جانوروں میں سرزد ہوتا ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ایجاد کی نوعیت مختلف ہوتی ہے لیکن نوعِ انسانی اس سے صرفِ نظر نہیں کر سکتی کہ حیوانات کی ایجاد میں ہمیں تخریب کا پہلو نہیں ملتا، جبکہ آدمی کی ایجادات میں تخریب کا عنصر غالب رہتا ہے۔

یہ ایک خبر متواتر ہے کہ آدمی ایک اشرف المخلوقات ہے مگر شرف اس لئے ظاہر ہوتا ہے کہ پرندہ بغیر وسائل کے پرواز کرتا ہے اور آدمی پرواز کرنے کے لئے اربوں کھربوں ڈالر خرچ کرنے کے باوجود وسائل کا محتاج ہے۔ ترقی اور ایجادات کے جتنے شگوفے کھلتے ہیں، اسی مناسبت سے دکھ اور درد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ انتظامی امور پر نظر ڈالئے تو یہ کہے بغیر چارہ نہیں ہے شہد کی مکھی کا نظم و ضبط انسانی زندگی سے بہت زیادہ ارفع و اعلیٰ ہے۔ پھر وہ کون سا شرف ہے جس پر آدم زاد کبر و نخوت کی بھٹی میں سلگ رہا ہے۔ وہ کون سا اعزاز ہے جس نے آدم زاد کو شداد، نمرود اور فرعون کے روپ میں پیش کیا ہے؟

آج کا دور ترقی کی معراج کا دور کہا جاتا ہے۔ اس معراج کا تجزیہ کرنے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ترقی کے معانی ظلم و ستم کا نہ ختم ہونے والا لامتناہی سلسلہ ہے۔ ترقی یہ ہے کہ بھوکے ننگے انسانوں کو ترقی کا فریب دے کر، ان کے اوپر اپنی علمی برتری کی دہشت بیٹھا دی جائے۔ دھرتی ماتا اپنے بچوں کے لئے جن وسائل کو جنم دیتی ہے انہیں ہڑپ کر کے ہلاکت خیز ہتھیار بنائے جا

www.ksars.org

ئیں، بھوکے اور افلاس زدہ سے لوگوں سے کھربوں ڈالر چھین کر ایسا ایٹم بم بنایا جائے جو لاکھوں آدمیوں کو ایک لمحہ میں لقمہ اَجل بنا کر نگل لے۔اور پھر درندگی کی تشہیر کر کے اللہ کی مخلوق کو اس قابل بھی نہ رہنے دیا جائے کہ وہ اپنی بقا کے لئے کچھ سوچ سکے، اپنی نسل کی حفاظت کے لئے کچھ کر سکے۔ بربریت کا یہ عالم ہے کہ خود کو سپر پاور ثابت (SUPER POWER) کرنے کے لئے ہتھیاروں کا انبار جمع کر لیا جاتا ہے۔اور پھر انبار کے اس آتش فشاں سے ایک ماں ایک باپ (آدم وحوا) کی اولاد، دو بھائیوں کو آپس میں لڑا دیا جاتا ہے، اس لیے کہ دو بھائی یگانگت اور محبت سے رہیں گے تو سپر پاور بننے کا عمل خواب بن جائے گا۔کتنا ذہین اور عقلِ کل ہے دانش ور (SCIENTIST) کہ یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی کہ جو چیز وجود میں آجاتی ہے اس کا استعمال لازمی ہو جاتا ہے۔ کبھی ہم نے یہ بھی سوچا ہے کہ جنت نظیر دنیا کے باغات، ہنستے بستے شہروں اور ہرے بھرے کھلیانوں کو سپر پاور کیوں نیست و نابود کر دینا چاہتی ہے، اس لئے کہ وہ اس بات پر یقین نہیں رکھتی کہ حاکمیت صرف اللہ کی ذات کے لئے مخصوص ہے اور ہم فکر و آلام اور عدم تحفظ کی چکی میں اس لئے اس پِس رہے ہیں کہ ہم نے زر پرست اور متعصب لوگوں کو اپنا ان داتا سمجھ لیا ہے۔

کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ ہم زیادہ نہیں تو کم سے کم اللہ کی ننھّی منّی مخلوق کی طرح ہی عقل و شعور سے کام لیں اور اپنے خداوند اللہ کے اس حکم کی پیروی کریں:۔

’’اور اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔‘‘

قیامت گزر جانے سے پہلے ہم نے فطری عمل سے کام نہیں لیا تو صفحۂ ہستی سے ہمارا وجود حرف غلط کی طرح مٹ جائے گا۔ قرآن پاک ببانگ دُہل یہ اعلان کر رہا ہے:

’’جو قومیں خود اپنی تبدیلی نہیں چاہتیں، زمین پر ان کا وجود خس و خاشاک سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا‘‘۔

*****

www.ksars.org

www.ksars.org

اسرائیل

لبنان کی سرزمین پر موت رقص کناں ہے۔ منافقت کا دیوتا جاگ اٹھا ہے۔ جبر و استبداد کا دور دورہ ہے۔ معصوم بچوں کے خون سے صحرا کی آبیاری کی جارہی ہے۔

وسائل سے معمور بڑی بڑی بادشاہتوں کے درمیان چھوٹے سے ملک کے باسی تیس لاکھ اسرائیلوں نے ظلم و بربریت کا ایسا المناک مظاہرہ کیا ہے کہ مظلوموں کی دلدوز چیخوں، جگر سوز آہ و بکا، نالہ و شیون سے نوے کروڑ مسلمانوں کی نیندیں حرام ہوگئی ہیں۔ محسوس ہوتا ہے کہ اللہ کے فرستادہ پیغمبروں کی سرزمین ہم سے روٹھ گئی اور ہمارے اندر حیا اور شرم کی لالی سے آسمان شفق آلود ہو گیا ہے۔

یہ وہ اسرائیل جس کے بارے میں ہم سنتے آئے ہیں کہ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین سے مراد یہودی ہیں۔ بچپن کا وہ زمانہ جو شعور کی سطح پر حافظہ کے نام سے نقش ہے، یہ یاد دلا رہا ہے کہ چار کم ساٹھ سال ہر مسجد، ہر منبر، ہر مکتب اور وعظ و نصحت کی ہر محفل میں اپنے مذہبی پیشواؤں کو ہم نے یہ دعا کرتے سنا ہے کہ یا اللہ یہود کو نیست و نابود کردے اور مسلمانوں کو فتح و کامرانی سے ہم کنار کر۔ آج جب ہم دیکھ رہے ہیں کہ بیت المقدس ہم سے چھین لیا گیا ہے، ہیکل سلیمانی کے پردے میں اس کی بنیادوں پر کدال چلا دی گئی ہے اور اب جب بیروت جل رہا ہے، وہاں کی مسلم آبادی زہریلے بموں کے نرغے میں موت زیست کے دروازے پر کھڑی ظلم و ستم کے آہنی پنجے میں سسک رہی ہے تو یہ کہے بغیر کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی کہ نوے کروڑ مسلمانوں کی آدھی صدی سے زیادہ کی دعائیں بے کار ثابت ہوئیں۔ یہ غلغلہ تو عام ہے کہ بیروت جل رہا ہے، اسرائیل فتح و کامرانی کے نشے میں اپنے ضمیر کا گلہ گھونٹ رہا ہے۔ معصوم نونہال، نرم و نازک صنف لطیف خواتین کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ بوڑھے معذور مفلوج ہو چکے ہیں۔ مگر یہ صدا کسی گوشے سے سنائی نہیں دیتی کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے اور وہ قوم جس سے قدرت نے فتح و نصرت کا وعدہ کیا تھا آج زمین پر بوجھ کیوں بن گئی ہے؟

فتح و نصرت اور کامرانی کی بشارت نبی برحق حضورِ اکرم ﷺ نے دی تھی اور حصولِ نصرت کا راستہ بھی متعین کر دیا تھا۔

کیوں ہم نے اپنے دلوں پر مہر لگائی ہیں اور کیوں ہم نے اپنی آنکھوں پر دبیز پردے ڈال دیئے ہیں؟ ہم یہ کیوں نہیں دیکھتے کہ باعثِ تخلیق کائنات ﷺ نے عمل کے ساتھ دعاؤں کا سہارا لیا ہے۔ مکے کی زندگی میں دعا اور عمل ساتھ ساتھ قائم رہے ہیں۔ یہ وہ ذا

www.ksars.org

ت اقدس ومکرم و محترم و محتشم ہے جس کے ایک اشارے سے چاند دولخت ہو گیا تھا۔ یہ رب العالمین کی وہ محبوب ذات ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے راز و نیاز کی باتیں کیں اور اپنی قربت کا وہ اعزاز عطا فرمایا جو نوعِ انسانی میں کسی کو حاصل ہوا اور نہ ہوگا۔ یہ وہی مسجودِ ملائکہ ذاتِ والا تبار ہے جس کے سامنے جبر ئیلؑ دوزانو ہو کر بیٹھے ہیں۔ یہی "بعد از خدا بزرگ تو ہی قصہ مختصر" شخصِ اکبر ہے جس کی امامت میں جلیل القدر پیغمبروں نے نماز ادا کی اور ہر پیغمبر نے آسمانی کتاب میں اس نجات دہندہ کے آنے کی بشارت دی۔

عمل کے بغیر اگر دعاؤں سے کام ہو جاتے تو مکے سے مدینے کی طرف ہجرت کی کیا ضرورت تھی؟ حضورؐ کا دندانِ مبارک کیوں شہید ہوا؟ حضورؐ نے مدینے سے مکے کی طرف فوج کشی کیوں کی؟ حضورؐ نے شہری زندگی سے قطع تعلق (BOYCOTT) کیوں منظور فرمایا؟ حضورؐ کی سیرتِ پاک ہمیں بتاتی ہے کہ حضورؐ نے کبھی عمل اور تدبیر کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا تدبیر اور عمل کے مثبت نتائج کے لئے دعائیں کیں۔

عمل کے بغیر دعا ایک ایسا جسم ہے جس میں روح نہیں ہے اور جب جسم میں سے رُوح نکل جاتی ہے تو اُس کی حیثیت ایک لاش کی ہوتی ہے جو کسی کام نہیں آتی۔ اسی طرح وہ دعا جس کے پیچھے کوئی عمل نہیں ہوتا قوموں کے لئے ادبار بن جاتی ہے۔

ہم خود کو مسلمان کہتے ہیں۔ کیا مسلمان ایسے ہوتے ہیں جس کا مظاہرہ آج ہو رہا ہے؟ جب سے ہوش سنبھالا ہے ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہم صرف دعاؤں کے ذریعے اپنے مسائل حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم عمومی دعائیں اور خصوصی دعائیں بھی مانگتے ہیں ۔آدھی صدی سے زیادہ کا زمانہ ہمارے سامنے ہے۔ ہم نے من حیث القوم کافروں پر فتح و کامرانی کی کوئی دعا قبول ہوتے نہیں دیکھی۔ آخر ایسا کیوں ہے؟

دعائیں اس لئے قبول نہیں ہوتیں کہ ان کے ساتھ عمل نہیں ہے اور تخلیق کا راز یہ ہے کہ عمل بجائے خود تخلیق ہے۔ ہم اپنی معاش کے لئے دھوپ کی تپش میں سرگرداں رہتے ہیں اور سردی کی یخ بستہ راتوں میں اپنی نیندیں خراب کرتے ہیں۔ افزائشِ نسل کے لئے شادیاں کرتے ہیں۔ جب دعائیں توپ و تفنگ، میزائیل، راکٹ اور بم بن کر اسرائیل کو تباہ کر سکتی ہیں تو زندگی کے ان سب ہنگاموں کی کیا ضرورت ہے؟ کسان کو کیا ضرورت پڑی کہ زمین کے سینے کو چیر کر اس سے غذائی ضروریات پوری کرے ؟ دھوپ کی تمازت اور ژالہ باری سے بچنے کے لئے آخر ہم مکان کیوں بناتے ہیں؟ جب عمل کے بغیر دعا سے ہر کام ہو سکتا ہے تو ہم زندگی سے متعلق معاملات میں جدوجہد اور کوشش کرنے کے بجائے مانگ لیا کریں۔۔۔ یااللہ! ہمیں اولاد دے، یااللہ! ہمارا مکان بنادے، یااللہ! ہم سے محنت مزدوری نہیں ہوتی ہمارے منہ میں روٹی کے لقمے ڈال دے۔

آخر یہ کس قسم کا مذاق ہے کہ جب انفرادی زندگی زیرِ بحث آتی ہے تو ہمارا عضو عضو مصروفِ عمل ہو جاتا ہے اور جب اجتماعی زندگی درپیش ہوتی ہے تو ہم دعا کے لئے ہاتھ باندھ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اگر دعا سے ہی کافر جہنّم رسید ہو جاتے تو جہاد کس لئے فرض کیا گیا؟

www.ksars.org

یاد رکھئے! جو لوگ دعائیں کراتے ہیں اور دعاؤں کے ساتھ عملی اقدامات کا مظاہرہ نہیں کرتے وہ ہر گز قوم کے دوست نہیں۔ بزعمِ خود یہ وہ نادان دوست ہیں جن کی تدبیریں ہمیشہ رُسوا اور ذلیل کرتی ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ بے عملی قوم کا شیرازہ بکھیر دیتی ہے اور ہر فرد اپنی ذات میں بند ہو جاتا ہے۔ بے عمل بندہ اللہ کی نافرمانی کا مرتکب بھی ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ سے اللہ کی رسی چھوٹ جاتی ہے اور سیسہ پلائی ہوئی قومی دیوار میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں۔ عمل سے جی چرانے والی قومیں ناکارہ، مفلوج اور مغضوب بن جاتی ہیں۔

کوئی ہے ______ جو اِس زہرناک طرزِ عمل سے قوم کو آگاہ کرے؟ کوئی ہے ____ جو عالمِ اسلام کو یہ بتائے کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی عمل، عمل اور عمل سے عبارت ہے؟ خالقِ کائنات نے اس کائنات کو متحرک اور فعال بنایا ہے۔ چاند، سورج، ستارے، زمین، آسمان، فرشتے ہر چیز اور ہر مخلوق مسلسل حرکت میں ہے۔ اللہ کے فرستادہ پیغمبروں اور اس راہ پر چلنے والے تمام اولیاء اللہ نے ہمیشہ عمل کی تلقین کی ہے اور بے عمل سے اجتناب کی نصیحت کی ہے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنّم بھی

یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

جب سے ہم نے عمل کو ترک کیا اور دعاؤں کا سہارا لینا شروع کیا ہے، ہمارے اندر سے نور نکل گیا ہے اور نار نے ہمیں اپنا لقمہء تر سمجھ لیا ہے۔

اے واعظو! اے منبر نشینو! اے قوم کے دانشورو! برائے خدا، سوتی قوم کو جگاؤ اور بتاؤ کہ بے عمل قومیں غلام بن جاتی ہیں۔

----

www.ksars.org

کفرانِ نعمت

برگد کے دو پتے میز پر میرے سامنے پڑے ہیں۔ ظاہری آنکھ کو ایک رنگ، ایک جسامت اور ایک ہی طرح کے نقش و نگار نظر آتے ہیں بالکل اس طرح جس طرح چار ارب آدمیوں کے ہاتھ ایک جیسے نظر آتے ہیں لیکن جب ہم ہاتھ کے اوپر ماضی و حال کی تحریر پڑھتے ہیں تو ہر ہاتھ ایک نئی دنیا کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ آبادی کے انگوٹھوں کی لکیریں ہمارے اوپر چار ارب انفرادی ذہن کا انکشاف کرتی ہیں اور ہر انکشاف ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔

جس طرح ایک باپ کی اولاد مختلف رنگ و روپ اور مختلف خدوخال کی حامل ہوتی ہیں، اسی طرح ایک درخت کے لاکھوں پتے بھی مختلف ہوتے ہیں۔ ہر پتے کے اندر نقش و نگار ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔ کسی درخت کے دو پتے سامنے رکھ کر تجربہ تو کیجئے۔ درخت بھی آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ اچھے یا برے کردار کے لوگوں سے متاثر بھی ہوتے ہیں۔ درختوں کے اوپر مدہم یا تیز موسیقی اثر انداز ہوتی ہے۔ اب یہ بات بھی پردہ نہیں رہی کہ انسان کے اندر ہمہ وقت دو حواس کام کرتے ہیں۔ حواس کی ایک طرز زمان و مکان میں قید رکھتی ہے اور دوسری طرز میں ہمارے اوپر سے زمان و مکان (TIME & SPACE) کی حدبندیاں ختم ہو جاتی ہیں اور انسان خلا کے اُس پار آباد دنیاؤں کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔ کائنات کی ہر مخلوق میں حواس کی یہ دونوں طرزیں سرگرمِ عمل ہیں یعنی ہر مخلوق میں چھٹی حس موجود ہے۔

پتے کے اندر چھٹی حس یا باطنی نگاہ نے مجھے جب اپنے اندر تفکر کرتے دیکھا تو پتہ یوں گویا ہوا۔ ' اے آدم زاد ! میں نے اپنے اسلاف (درختوں) سے سنا ہے کہ آدم اشرف المخلوقات ہے۔ اسے قدرت کا ایک مخصوص انعام حاصل ہے، ایسا انعام جس سے اللہ کی دوسری مخلوق محروم ہے اور یہ محرومی اُس کی خود ساختہ ہے۔''

کائنات کی تخلیق کے بعد خالقِ اکبر نے زمین و آسمان میں تمام مخلوقات کو اپنا امین بنانا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے ساوی مخلوق اور ارضی مخلوق کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ۔ "ہے کوئی جو ہماری امانت کو اپنے ناتواں کندھوں پر اٹھائے۔"

ساوی و ارضی مخلوق نے یک زبان ہو کر عرض کیا۔'' بار الٰہا ! ہم بہت کمزور اور ناتواں ہیں۔ ہم اس کے اہل نہیں ہیں۔" لیکن آدم نے بغیر سوچے سمجھے اس امانت کو اپنے کاندھے پر اٹھا لیا۔ آج وہی آدم جو آسمانوں اور زمین میں تمام مخلوق سے معزز قرار دیا گیا ہے۔ مصائب اور آلام میں سسک رہا ہے اور خود اپنا دشمن بن گیا ہے۔''

www.ksars.org

درخت جب آپس میں اس اعزاز کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو آدم زاد کی اس جہالت پر خوب ہنستے ہیں اور کہتے ہیں کہ آدم جو خود کو ہم سب سے بہت زیادہ باشعور سمجھتا ہے، احمق ترین مخلوق ہے۔ ہمارے اسلاف آدم کے اسلاف سے زیادہ ہوشیار عقل و مند تھے کہ انہوں نے یہ جان لیا تھا کہ اللہ کی امانت قبول کر کے اس کی حفاظت نہ کرنا اور اس سے فائدہ نہ اٹھانا کفرانِ نعمت ہے۔ جب کہ کفرانِ نعمت ناشکری ہے اور ایسی قومیں جو شکر گزار نہیں ہوتیں، صفحہء ہستی پر بوجھ بن جاتی ہیں۔ آسمانی بلائیں ان کی زندگی کو زہر یلا کر دیتی ہیں۔ ایسی قوتوں کی عزت نفس داغ دار ہو جاتی ہے، ایسی قومیں ذلت و رسوائی اور شکست کی علامت بن جاتی ہیں۔

برگد کے پتے کی زبانی عقل و شعور کی باتیں سُن کر میں استغراق کے دریا میں ڈوب گیا۔ زبان کو یارانہ رہا کہ کچھ عرض حال کرے۔ دماغی کمپوٹر کرنے والے بارہ کھرب کل پرزے (CELLS) ساکت و جامد ہو گئے۔ آنکھوں میں روشنی دھندلا گئی کہ فہم و فراست کا مشاہدہ کر سکے۔

بالآخر احمقانہ سوال کر بیٹھا۔ ''کیا درختوں میں بھی اسی طرح عقل کام کرتی ہے جس طرح آدم زاد عقل سے آراستہ ہے؟''

دونوں پتے کُھد بُد ہنسے اور ایک طنزیہ قہقہہ لگا کر بولے۔ ''کسی چیز کا انکار اور اقرار ہی عقل و شعور کا ثبوت ہے۔ اگر ہمارے اسلاف میں عقل نہ ہوتی تو وہ کہتے کہ ہم اس امانت کے متحمل نہیں ہیں۔''

درندگی، خوں ریزی، قتل و غارت گری، تعصب، بد دیانتی، خود غرضی اور حق تلفی پر مشتمل زمین کی کوکھ سے جنم لینے والی لاکھوں سال کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ہم انسان کے مقابلے میں زیادہ سمجھدار اور باشعور ہیں۔ ہم یہ جانتے ہیں آدم زاد سے زیادہ پست عقل کوئی دوسری مخلوق نہیں۔ کیا یہ اپنے اوپر نادانی اور ظلم نہیں ہے کہ گھر میں غذا کا انبار لگا ہوا ہے اور آدمی فاقے کر رہا ہے۔ کیا یہ جہالت نہیں ہے کہ ساری کائنات آدم کے لئے مسخر کر دی گئی ہے اور آدم زاد قید و بند کی زندگیوں میں ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ آدم زاد اپنی اندر کی روشنی سے دنیا میں روشنی پھیلانے کے بجائے ساری دنیا کو اندھیرہ کر دینا چاہتا ہے۔

برگد کے درخت کے پتوں کی زبانی یہ مکالمہ سن کر آنکھیں نم ہو گئیں۔ جگر خون اور دل پاش پاش ہو گیا۔ ایک آہ نکلی اور کانوں میں یہ آواز گونجی:

کاش میں درخت کا ایک پتہ ہوتا جس پر شبنم موتی بن کر استراحت کرتی اور پرندے شاخوں پر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے صبح دم پرندوں کے یہ ترانے میری رُوح میں ایسی سرشاری پیدا کر دیتے کہ میں آسمان کی وسعتوں میں گم ہو کر اشرف المخلوقات ہونے کا اعزاز واپس لے آتا!۔''

www.ksars.org

عورت

جب کسی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے تفکر کے ڈانڈے ملائے جاتے ہیں تو بہت سی ایسی باتیں شعور سطح پر ابھر آتی ہیں کہ جن کا تجزیہ اگر کیا جائے تو بہت تلخ حقائق منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوتے ہیں۔

قرآن کہتا ہے کہ اللہ نے ہر چیز جوڑے جوڑے بنائی ہے۔ مذہبی حلقہ کہتا ہے کہ عورت کو مرد کی اداسی کم کرنے اور اس کا دل خوش کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

عفت و عصمت کا تذکرہ آتا ہے تو وہاں صرف اور صرف عورت زیر بحث آتی ہے۔ کیا مرد کو عفت و عصمت کے جوہر کی ضرورت نہیں ہے؟ عورت کے تقدس کو یہ کہہ کر پائمال کیا جاتا ہے کہ وہ کمزور ہے۔ عقل و شعور سے اسے کوئی واسطہ نہیں۔ علم و ہنر کے شعبے میں اب تک عضو معطل بنا کر پیش کیا جاتا رہا ہے۔ دانشور، واعظ، گدی نشین حضرات کچھ ایسے تاثرات بیان کرتے ہیں کہ جن سے عورت کا وجود، بہر حال، مرد سے کم تر ظاہر ہوتا ہے۔

یہ عورت وہ عورت ہے جس کے خون کا ایک ایک قطرہ مرد کا ایک ایک عضو بن جاتا ہے۔ یہ وہ عورت ہے جو اپنے اندر موجود تخلیقی فارمولوں سے دماغ کے بارہ کھرب خلیوں کو جنم دیتی ہے۔ یہ وہ عورت ہے جو نو مہینے اپنے پیٹ میں بچہ کی نشو و نما کے لیے دن رات ایک کر دیتی ہے۔ یہ وہ عورت ہے جو مرد کی روح کے لئے زندگی میں کام آنے والی انرجی (Energy) کے تانے بانے سے جسمانی خدوخال کا لباس تیار کرتی ہے۔ یہ وہ عورت ہے جو دو سال تک اپنا خونِ جگر بچہ کے اندر انڈیلتی رہتی ہے۔ یہ کیسی بد نصیبی اور ناشکری ہے کہ وہی مرد جس کی رگ رگ میں عورت کی زندگی منتقل ہوتی رہتی ہے، مرد کی تفریح کا ذریعہ سمجھی جاتی ہے ۔ بے روح معاشرے نے عورت کو مرد کے مقابلے میں ایسا کردار بنا دیا ہے جس کو دیکھ کر ندامت سے گردن جھک جاتی ہے۔ ناطقہ سر بہ گریباں ہے کہ مرد نے عورت کو ایک اشتہاری چیز بنا دیا ہے۔ سڑکوں پر آویزاں بورڈوں پر، اخباروں میں، ضروریاتِ زندگی کی اشیاء کے پیکٹوں پر، انتہا یہ کہ گندگی اور غلاظت صاف کرنے والے ٹین کے سر بند ڈبوں پر بھی ہمیں عورت کی تصویر نظر آتی ہے۔ اُف ! کتنی بے حرمتی ہے اس ہستی کی جس نے اپنا سب کچھ تج کر مرد کو پروان چڑھایا ہے۔

بلاشبہ یہ کھلی ناانصافی اور احسان فراموشی ہے۔ ناشکری اور ناانصافی کا ردِ عمل اس قدر بھیانک اور علم ناک ہوتا ہے کہ تاریخ اس سے لرزہ براندام ہے۔ دنیاوی علوم سے آراستہ دانشوروں کا یہ وطیرہ کم عقلی پر مبنی قرار دیا جا سکتا ہے مگر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ روحانی علوم کے لامتناہی میدان میں بھی عورتوں کو نظر انداز کیا گیا تو اعصاب پر موت کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ سینکڑوں سال کی تاریخ میں مشہور و معروف اولیاء اللہ کی فہرست پر نظر ڈالئے تو صرف ایک عورت کی نشاندہی ہوتی ہے اور اسے بھی آدھا قلندر

www.ksars.org

کہہ کر اس کی بے حرمتی کی گئی ہے۔ کیا عورت اور مرد کے اندر الگ الگ روحیں کام کرتی ہیں؟ کیا رُوح میں تخصیص کی جا سکتی ہے؟ کیا رُوح بھی کمزور اور ضعیف ہوتی ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو عورت کی روحانی اقدار کو کیوں محجوب رکھا گیا ہے؟ مردوں کی طرح ان خواتین کا تذکرہ کیوں نہیں کیا گیا جو اللہ کی دوست ہیں؟

وہ کون سی ایسی صفت ہے جو سورۂ احزاب کی ۳۵ ویں آیت میں مردوں کے لئے گنوائی گئی ہے اور عورتوں کو اس محروم رکھا گیا ہے؟ اللہ تعالیٰ مرد اور عورتوں کی یکساں صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں :

تحقیق مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں اور قرآن پڑھنے والے اور قرآن پڑھنے والیاں اور سچ بولنے والے اور سچ بولنےوالیاں اور صبر کرنے والے اور صبر کرنے والیاں اور عاجزی کرنے والے اور عاجزی کرنے والیاں اور خیرات دینے والے اور خیرات دینے والیاں اور روزہ رکھنے والے اور روزہ رکھنے والیاں اور نگہبانی کرنے والے شرم گاہ اپنی کی اور نگہبانی کرنے والیاں ،اور یاد کرنے والے اللہ کو بہت اور یاد کرنے والیاں تیار کیا ہے اللہ نے واسطے اُن کے بخشش اور ثواب بڑا ۔ (قرآن)

اسلام شرف کا علم بردار ہے۔ اس نے سارے انسانوں کو واجبِ عزت قرار دیا ہے۔ پھر عورت مرد کی تخصیص کن مصلحتوں اور کن مفروضہ تاویلوں کی نشاندہی کرتی ہے؟ ______ جو فرد، جو قوم اپنی ماں، اپنی بہن، اپنی شریک حیات کی عزت و تکریم کو کم کرتی ہے وہ ذلیل و خوار ہو جاتی ہے۔

آج من حیث القوم مسلمان کو جس ذلت اور مسکنت کے گہرے غار میں دفن کیا جا رہا ہے اس کی ایک بڑی وجہ یہی بے انصافی ہے

اے میری ماں! میری بہن! میری لختِ جگر بیٹی! تم اور مرد ایک اللہ کی تخلیق ہو۔ تمہارے اور مرد کے اندر ایک اللہ کی رُوح ہے۔ تمہارے اندر بھی وہ تمام صلاحیتیں اور صفات موجود ہیں جو قدرت نے مرد کو ودیعت کی ہیں۔ جب ایک عورت رابعہ بصری بن سکتی ہے تو دنیا کی تمام عورتیں اپنے اندر اللہ کی دی ہوئی روحانی صلاحیتوں کو بیدار کر کے اپنے نام اولیاء اللہ کی فہرست میں ثبت کرا سکتی ہیں۔

وہ زمانہ آ گیا ہے۔ کہ خواتین بھی مردوں کی طرح روحانی فیوض سے دنیا کو روشن اور منور کر دیں۔ اللہ تعالیٰ کا انعام عام ہے۔ آیئے آگے بڑھیں اور صراط مستقیم پر چل کر اپنی روحانی طاقت سے، نوع انسان کے اوپر سے شیطانی غلبہ کو ختم کر دیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آغوشِ رحمت آپ کی منتظر ہے۔

www.ksars.org

*****

لہریں

ایک سادھو، خواجہ غریب نوازؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سادھو گیان دھیان سے اس مقام پر پہنچ گیا تھا جہاں گوشت پوست کا جسم مٹی نظر آتا ہے، ایسی مٹی جس میں خمیر تعفن بن جاتا ہے۔ اور جب انسانی نظر میں گوشت پوست مٹی کے ذرات میں تحلیل ہونے لگتا ہے تو اسے آدمی کے اوپر ایک اور آدمی کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ یہ آدمی ایسا نظر آتا ہے جیسے ٹیلی ویژن کی اسکرین (SCREEN) پر متحرک تصور۔ یہی وہ آدمی ہے جسے سائنس (AURA) کہتی ہے۔

AURA کیا ہے؟

ہم جب کپڑے کی ساخت کا تذکرہ کرتے ہیں تو ہمارے ذہن میں یہ بات آتی ہے۔ کپڑا دھاگے کے تانے بانے سے تیار ہوتا ہے ۔اس تانے بانے سے بنے ہوئے کپڑے کے اوپر نقش و نگار بھی بنائے جاتے ہیں، ایسے نقش و نگار جو کپڑے کے ساتھ یکجان ہو جاتے ہیں۔ جب روشنیوں کے تانے بانے پر انسانی نقش و نگار بُن دیئے جاتے ہیں تو اس کا نام AURA ہے کیوں کہ روشنی کے اوپر وقت کی گرفت نہیں ہوتی اس لئے وہ زمان و مکان کی پابندی سے آزاد ہوتی ہے۔ زمان و مکان سے آزادی کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کی نظر آسمانی وسعتوں کو چھو لیتی ہے۔ پھر نظر کی گہرائی اتنی ہو جاتی ہے کہ آدمی وہ کچھ دیکھنے لگتا ہے جو گوشت پوست کی آنکھ سے نظر نہیں آتا۔

مذہب و ملت کی تفریق کے بغیر ہر شخص اپنی اصل یعنی AURA سے وقوف حاصل کر سکتا ہے۔ AURA کوئی ایسی ماورائی چیز نہیں ہے جو شعور کے دائرے میں نہ آئے۔ روشنیوں کے جن تاروں سے AURA بنا ہوا ہے ان تاروں کے اندر دوڑنے والی ELECTRICTY سے ہر شخص اختیاری اور غیر اختیاری طور پر متعارف ہے اور اس ELECTRICTY کے فنکشن (FUNCTION) سے ہر آدمی متاثر ہوتا رہتا ہے۔ کچھ عرصہ دور رہنے کے بعد جب اپنے لختِ جگر کو سینے سے لگاتا ہے تو سینے کے اندر غیر مرئی لہریں منتقل ہوتی ہیں۔ اور یہ لہریں WAVES تار برقی نظام کے تحت روشنی کے تانے بانے کو اپنی گزرگاہ بناتی ہوئی جب دماغ میں پہنچتی ہیں تو ایک سرور کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بات بھی ہمارے مشاہدے میں ہے کہ دو دل جب ایک دوسرے میں جذب ہونا چاہتے ہیں اور جذب ہونے میں خاندانی رسم و رواج، اخلاقی اور معاشرتی قدریں دیوار بنتی ہیں

www.ksars.org

۔ تو ایک فرد جب دوسرے فرد کو ہاتھ لگاتا ہے تو اسے کرنٹ لگتا ہے۔ اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق میاں بیوی جب ہم لباس ہوتے ہیں تو جسم کی روئیں روئیں سے لہریں نکلتی ہیں اور یہ لہریں ایک نئی تخلیق کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہیں۔

آدمی جب اپنے AURA(ELECTRICTY) سے وقوف کر لیتا ہے تو اس کی رفتار بجلی کی رفتار کے برابر ہو جاتی ہیں اور کوئی بندہ اس رفتار سے نا صرف یہ کہ محو پرواز ہو جاتا ہے بلکہ ہزاروں لاکھوں سال پہلے یا بعد کی باتیں اس کے سامنے آجاتی ہیں۔ سادھو نے خواجہ غریب نوازؒ کی طرف گہری نظر ڈالی اور اُس کی نیم وا آنکھیں اُن پر جم گئیں اور وہ بر ملا پکار اٹھا۔ پر بھو،

"دھن دھن قدرت تیری!

جے جے ایشور کی کرپا ہے۔

اے خواجہ! تیری آتما روشن ہے لیکن دل میں ایک سیاہ دھبہ ہے۔"

حضرت خواجہ غریب نواز نے سادھو کی بات سن کر فرمایا۔ ''تو سچ کہتا ہے۔"

سادھو یہ سن کر حیرت کے دربار میں ڈوب گیا اور کہا۔

''چاند کی طرح روشن آتما پر یہ دھبہ اچھا نہیں لگتا۔ کیا میری شکتی سے یہ دھبہ دور ہو سکتا ہے؟''

خواجہ غریب نوازؒ نے جواباً کہا۔ ''ہاں، تو چاہے تو یہ سیاہی دھل سکتی ہے۔"

سادھو کے اوپر اضطرابی کیفیت طاری ہو گئی۔ نم آنکھوں اور کپکپاتے ہونٹوں سے کہا۔ "میری زندگی آپ کی نذر ہے۔''

خواجہ صاحبؒ نے فرمایا۔ "اگر تو اللہ کے رسول محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئے تو یہ دھبہ ختم ہو جائیگا۔"

سادھو کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی لیکن چونکہ وہ اپنے اندر مٹی کی کثافت دھو چکا تھا، اس لئے وہ اللہ کے دوست محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لے آیا۔

خواجہ صاحبؒ نے فرمایا۔ ''آتما کی آنکھ سے دوبارہ دیکھ۔''

سادھو نے دیکھا تو روشن روشن دل سیاہ دھبے سے پاک تھا۔ سادھو نے خواجہ غریب نوازؒ کے آگے ہاتھ جوڑ کر بنتی کی۔

''اس انہونی بات سے سے پردہ اٹھایئے ورنہ میرا دم گھٹ جائے گا۔''

www.ksars.org

خواجہ صاحبؒ نے کہا۔ ’’سن، وہ روشن آدمی جس کے دل پر تو نے سیاہ رنگ کا دھبہ دیکھا تھا تو خود تھا لیکن اتنی شکتی کے بعد بھی تجھے روحانی علم حاصل نہیں ہوا۔ ‘‘

"روحانی علم یہ ہے کہ آدمی کا دل آئینہ ہوتا ہے اور ہر دوسرے آدمی کے آئینے میں اسے اپنا عکس نظر آتا ہے۔ تو نے اپنی روشن آتما میرے اندر دیکھی تو تجھے اپنا عکس نظر آیا۔ تیرا ایمان توحید پر نہیں تھا، اس لئے تیرے دل پر سیاہ دھبہ تھا اور جب تو نے کلمہ پڑھ لیا، وہ سیاہ دھبہ دھل گیا اور تجھے میرے آئینے میں اپنا عکس روشن اور منور نظر آیا۔‘‘

www.ksars.org

قیامت

رات کے دو بج کر دو منٹ دو سیکنڈ گزرنے پر شعور کی سطح پر یہ خیال ابھرا کہ ____ گھنٹے، دن، مہینے، سال اور صدیاں کیا ہیں۔؟ اگر ان کی کوئی حقیقت ہے تو گزار ہوا وقت کہاں چلا جاتا ہے؟

عام مشاہدہ بھی یہ ہے کہ جب کوئی مر جاتا ہے تو واپس نہیں آتا۔ مرنے کا مفہوم یہ لیا جاتا ہے وقت کی زنجیروں میں سے ایک کڑی نکل گئی، اس طرح نکل گئی کہ پھر اسے زنجیر قبول نہیں کرتی یا وہ کڑی وقت کی زنجیر سے اپنا رشتہ منقطع کر لیتی ہے۔ خاندان کے افراد کی طرح شب و روز اور مہہ و سال کو وقت کی ذرّیت سمجھ لیا جائے تو اس کے علاوہ ہرگز کوئی بات اپنے اندر وزن نہیں رکھتی کہ لمحات پر موت وارد ہوتی ہے تو منٹ کی تخلیق ہوتی ہے اور جب منٹ اور گھنٹے موت کی وادی میں سفر کرتے ہیں تو شب روز کا وجود ظاہر ہوتا ہے۔ رات اور دن جب لقمۂ اجل بن جاتے ہیں تو وقت کی کوکھ مہہ و سال کو جنم دیتی ہے۔ مہینے اور سال عمرِ طبعی کو پہنچتے ہیں تو صدیوں کی پیدائش عمل میں آتی ہے ______ ایک آدمی کے مرنے کے بعد جس طرح ہمیں کچھ پتہ نہیں کہ وہ کہاں گیا، وقت کے بارے میں بھی ہمارے لبوں پر مُہرِ سکوت لگی ہوئی ہے۔

شماریات کا تعلق بھی وقت کے ساتھ براہِ راست ہے اس لئے کہ زندگی بجائے خود شماریات کے تانے بانے پر رواں دواں ہے۔ پیدائش سے مرتے دم تک ہم شماریات کے مختلف خانوں میں منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ اس وقت تک ہم گونگے بہرے ہیں جب تک ایک اور دو کے مفروضہ تعین کو تسلیم نہ کریں۔ ایک اس لئے ایک ہے ہمیں بتا دیا گیا ہے کہ ایک ہے۔ دو اس لئے دو ہے کہ خبرِ متواتر کی حیثیت سے ہمارے لیے یہ لازم کر دیا گیا ہے کہ ہم دو کو دو کہیں۔ نوعِ انسانی اس مفروضہ ورثے کے جوئے کو اپنے کاندھوں سے اتار کر پھینک دے تو حساب و کتاب کے سارے فارمولے زمیں دوز ہو جائیں گے۔

آدم زاد کی ذاتی اور صفاتی حیثیت کا تعین اس کے نام سے ہوتا ہے۔ نام بھی جب اپنی جگہ منجمد نظر آتا ہے تو ہمارے اوپر حیرت کے باب کھل جاتے ہیں۔ چند گھنٹوں کی جان کا جو نام رکھ دیا جاتا ہے وہ زندگی بھر ہر ہر لمحہ بدلتے ہوئے اعضائے جسمانی کے ساتھ اس طرح چپکا رہتا ہے کہ کسی طرح اس سے فرار ممکن نہیں۔ یہ کیسی نادانی، کم فہمی ہے اور بے عقلی کہ ایک دن کا بچہ وقت اور زمانے کی چکی میں پس کر ساٹھ سال میں سر سے پیر تک تبدیل ہو جاتا ہے مگر نام وہی رہتا ہے جو پیدائش کے وقت رکھا گیا تھا۔

www.ksars.org

بات اختیار کی آتی ہے تو مجبوری کا یہ عالم کہ آدم زاد کو خود پیدائش پر اختیار نہیں ہے۔ سونا، جاگنا، کھانا، پینا، بڑھنا، گھٹنا آدمی کا اپنا اختیار نہیں ہے لیکن آدم زاد پھر بھی بااختیار ہے۔! کوئی فردِ واحد مرنا نہیں چاہتا مگر مرنا ایک لازم امر ہے، **کل نفسۃ ذائقۃ الموت** ایک مخصوص نظام کے تحت سورج نکلتا ہے، غروب ہو جاتا ہے۔ دھوپ دھرتی کو انرجی (Energy) فراہم کرتی ہے، ہوا تیز اور سبک چلتی ہے اور چلتی رہتی ہے۔ تخلیق کے اندر آٹومیٹک مشین (Automatic Machine) کے ذریعے ہوا جسم میں دوڑنے والے خون کو زندگی عطا کرتی ہے لیکن اس پر بھی ہمیں کوئی اختیار نہیں ہے۔

اس لئے کہ سانس بھی ہمارا اختیاری نہیں ہے۔

آیئے اس مسئلے کو الہامی طرزوں میں سمجھنے کی کوشش کریں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"جہاں تم ایک ہو وہاں دوسرا اللہ ہے، جہاں تم دو ہو وہاں تیسرا اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ رگ جان سے زیادہ قریب ہے۔ اللہ ابتدا ہے، اللہ انتہاء ہے، اللہ ظاہر ہے، اللہ باطن ہے، اللہ ہر چیز پر محیط ہے۔"

شعور ہمیں بتاتا ہے کہ پہاڑ انتہائی درجہ سخت، ٹھوس اور جمی ہوئی شئے کا نام ہے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"تم گمان کرتے ہو کہ پہاڑ جمے ہوئے ہیں حالاں کہ یہ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہیں۔"

جب ہم قیامت کا تذکرہ کرتے ہیں تو لاکھوں کروڑوں سال کا ماضی اس کے ساتھ ہمیں چپکا نظر آتا ہے مگر قرآن فرماتا ہے:

"جتنی دیر پلک جھپکنے میں لگتی ہے، قیامت کا وقفہ اس سے بھی کم ہے۔"

اے میرے بھائیو، میرے بزرگو، میری ماؤں، بہنو اور بیٹیو! کیا ہم یہ سوچنے پر مجبور نہیں ہیں کہ یہ سب کیا ہے، کیوں ہے؟

*****

www.ksars.org

محبوب

ایک زمانہ ایسا بھی گزرا ہے جب گلشنِ زندگی پر خزاں کا پہرہ تھا۔ ہر طرف سکوت وانجماد تھا۔ وقت، حرکت اور بے چینی ایک دوسرے سے ناآشنا تھے مشیتِ خداوندی نے چاہا کہ تنہائی ختم ہو اور سکوت حرکت میں تبدیل ہو جائے۔ مخلوقات کا ظہور ہو تا کہ اس کی قدرت اور ربوبیت کا مظاہرہ ہو۔ اور مخلوق کی عظمت، حکمت اور صناعی کو دیکھے اور اسے پہچانے۔ مشیت کا ارادہ صدائے کن بن کر گونجا۔ زندگی نے انگڑائی لی اور حرکت کا آغاز ہوا۔ مشیت الٰہی کی اسی چاہت اور خواہش کو حدیثِ قدسی نے ان الفاظ میں ڈھا ل دیا ہے کہ

میں چھپا ہوا خزانہ تھا پس میں نے مخلوق کو محبت کے ساتھ تخلیق کیا تا کہ میں پہچانا جاؤں۔

مشیت نے اپنے پروگرام کے مطابق سب سے پہلے ایک ایسا میڈیم تخلیق کیا جو کائنات اور خالق کے درمیان واسطہ اور رابطہ ہو اور معارف اور شائستگی اور تعارف اور روشناسی کا منشا پورا کر سکے۔ درمیانی واسطہ موجود نہ ہو تو کائنات کا نحیف و نزار پیکر صفت جلال سے راکھ ہو جائے۔

جب یہ میڈیم یا نور پیکر بشری میں متشکل ہوا تو ذاتِ محمد الرسول اللہ ﷺ بنا۔ مخلوق کو خالق سے متعارف کرانے کا سلسلہ آدم سے شروع ہو کر انسانِ کامل پر ختم ہو گیا۔ مقامِ محمود اور مقامِ محبوبیت عطا کر کے آپ ﷺ کے اوپر نعمتوں کا قربِ حق میں اہتمام کر دیا گیا ہے۔ وہاں پہنچایا گیا جہاں دو کمانوں سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ اس جامع کمالات وصفات ہستی نے جس طرح مشیت کا منشاء پورا کیا اور جس طرح مخلوق پر رحمت خداوندی نچھاور کی اس کی تعریف و توصیف میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

”بے شک اللہ اور اس کے ملائکہ اس نبیؐ پر دُرود و سلام بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی دُرود و سلام بھیجو۔“

عرفان و گیان کی دنیا کے ماہِ کامل نے نوعِ انساں کو یاد دلایا کہ انسان کا تخلیقی رشتہ اللہ رب العزت سے وابستہ ہے۔ اس رشتہ کو فراموش کر کے کوئی بندہ سکون و اطمینان حاصل نہیں کر سکتا۔ انسانوں کے انسانوں پر حقوق ہوں یا انسان کا کائنات سے تعلق یہ سب ایک ہی بنیاد پر ہیں اور وہ یہ ہے کہ ہمارا اور سب چیزوں کا مالک اللہ ہے۔ اس نے ہمیں اس لئے پیدا کیا کہ ہم اس کو پہچانیں۔ خاتم النبیینؐ نے یہ حرفِ راز بتایا کہ بندہ خالق کو اسی وقت پہچان سکتا ہے جب اس کا ہر عمل صرف اور صرف اللہ کے لئے ہو۔ جب

www.ksars.org

بندے کی ذاتی غرض درمیان میں نہیں رہتی تو بندے اور خالق کا وہ رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ آقائےؐ دوجہاں نے معاشرت، معیشت، جنگ، امن غرض زندگی کے ہر شعبہ میں اس ابدی راز کی عملی تفسیر پیش کی ہے کہ

"میری نماز، میرا جینا، میرا مرنا سب اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔"

مسلمان قوم کا یہ اعزاز ہے کہ اس قوم کو نورِ اوّل حضور اکرم ﷺ کی نسبت حاصل ہے۔ ہر سال ربیع الاول کا مہینہ آتا ہے۔ زمین سے آسمانی رفعتوں تک محمد ﷺ کے نام کی صدا بلند ہوتی ہے۔ ہر اسٹیج، ہر جلسہ گاہ میں آپؐ کا ذکر پاک کیا جاتا ہے۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ صرف آپؐ کا نام لینے سے اور آپ ﷺ کے ذکر کا غلغلہ بلند کر لینے سے آپؐ کے روحانی مشن میں کتنی پیش رفت ہوئی ہے۔

ماہِ ربیع الاول بے شک اللہ تعالیٰ کی اس نعمتِ عظیم کی یادگار ہے جو اس نے محمد الرسول اللہ ﷺ کی شکل میں ساری نوعِ انسانی کو عطا کی ہے لیکن یہ مہینہ ہمیں اس طرف بھی متوجہ کرتا ہے کہ ہم اپنے اندر جھانک کر دیکھیں، اپنے باطن کا تجزیہ کریں کہ کیا ہمارا اپنے رب سے اسی طرح کا رشتہ قائم ہے جس تعلق کا عملی نمونہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہے؟

ہمیں اپنے اندر، باہر، ظاہر، باطن ہر طرف نظر دوڑا کر یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ ہم کس حد تک خود فریبی میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ ہمارے نفس نے ہمیں اپنے رب سے دور تو نہیں کر دیا؟ ایسا تو نہیں ہے کہ دوسروں کو نصیحت کے عمل نے ہمیں خود اپنے آپ سے بے خبر کر دیا ہے۔

خاتم النبیینؐ، دوجگ کے تاجدار، رحمت اللعالمین کے اسوہ حسنہ کو اپنے اوپر محیط کرنے کے لئے ضروری ہے کہ حضورؐ نے جس طرح زندگی گزاری ہے ہم بھی اس کا عملی مظاہرہ کریں۔

ہمیں یہ دیکھنا ہوگا۔ باوجود اس کے حضورؐ دونوں جہاں کے خزانوں کے مالک تھے، کس طرح زندگی گزارتے تھے۔ اپنے مفید مطلب زندگی کے کسی ایک شعبہ پر عمل کر لینے سے ہرگز تعمیلِ ارشاد کا منشاء پورا نہیں ہوتا۔

*****

www.ksars.org

اللہ میاں

جب سے نوعِ انسانی نے زمین پر آنکھ کھولی ہے لاکھوں، اربوں آدم زاد اس زمین سے اُبھرے اور جب ان کی روحوں نے جسموں سے اپنا رشتہ منقطع کر لیا، اس دھرتی نے ان کے خاکی جسموں کو خاص و عام کی تخصیص کے بغیر اپنی آغوش میں سمیٹ لیا، کیا بادشاہ، کیا فقیر سب سطحِ زمین کے نیچے جا چھپے۔

اسی زمین کے ایک شہر لاہور میں جہاں ایک طرف ملکہ نور جہاں فرشِ خاک کے نیچے موجود ہیں وہاں دوسری طرف داتا گنج بخش ہجویریؒ بھی محوِ استراحت ہیں۔ نور جہاں کی قبر پر جایئے تو وہاں افسردگی اور ویرانی کا راج ہے۔ لوگ وہاں جاتے ہیں تو تفریح و دلچسپی کیلئے۔ یہ وہ نور جہاں ہے جو ایک زمانے میں ہندوستان کے سیاہ سپید کی مالک تھی۔ اس کے برعکس داتا گنج بخشؒ کا مزار ذکر و سلام کی آوازوں سے گونجتا ہے۔ وہاں عقیدت و محبت کے پھول نچھاور کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ داتا صاحب اپنی زندگی میں نہ دنیاوی حکومت کے مالک تھے نہ آپ کے پاس مال و زر کا کوئی ڈھیر تھا۔

ایسا کیوں ہے؟

اس لئے کہ جو شخص اپنے اندر موجود اس رُوح سے واقف ہو جاتا ہے جو ابدیت کا پرتو اور صفاتِ الٰہیہ کا مظہر ہے تو زمان و مکان اس پر اپنا پہرا نہیں بیٹھا سکتے۔ مٹی کی چپک (Gravity) اس کو قید نہیں کر سکتی۔ وہ ہر زمانے میں زندہ اور پائندہ رہتا ہے، جب وہ دنیا میں ہوتا ہے تو اس کے پاس عرفان کی دولت کے سوا کچھ نہیں ہوتا لیکن لوگ اس کی طرف کھنچ کھنچ کر آتے ہیں اور لیکن جب وہ اس دنیا سے پردہ کر لیتا ہے تو مخلوق پروانے کی طرح اس کے مرقد کے گرد طواف کرتی ہے۔ ابدال حق قلندر بابا اولیاءؒ ایسے ہی پاکیزہ نفس بندوں کے سر گروہ اور سر خیل ہیں۔

انبیاء کرام کی شخصیات دراصل ایک طرزِ فکر سے عبارت تھیں۔ نبوت کا یہ سلسلہ خاتم النبیین حضور علیہم الصلوۃ والسلام پر ختم ہو گیا لیکن کیوں کہ اللہ کی سنت میں نہ کوئی تبدیلی ہوتی ہے نہ تعطل اس لئے ہر زمانے میں حضور پاک ﷺ کی طرزِ فکر اور ان کے علوم کے وارث ایسے بندے پیدا ہوتے رہے تا کہ نور و ظلمت کا توازن قائم رہے اور نوعِ انسانی اس طرزِ فکر سے روشناس ہو جائیں جو اسے خوف اور غم سے نجات دلاتی ہے۔

مینارۂ نورِ ہدایت رسول اللہ ﷺ کے وارث قلندر بابا اولیاءؒ نے اپنے پیچھے فکر کی وہ روشنی چھوڑی ہے جس کی رہنمائی میں آج کی پریشان ذہن اور پراگندہ دل نسل اپنے مستقبل کو سنوار سکتی ہے۔ آج نوعِ انسانی جس ذہنی کشاکش اور دماغی ٹوٹ پھوٹ کا شکار

www.ksars.org

ہے اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس کے اندر انبیاء کی طرز فکر کا انعکاس کم سے کم ہوتا جا رہا ہے اور اس کے اپنے بنائے ہوئے مفروضہ حواس نے اُسے حقیقت آگاہی سے محروم کر دیا ہے۔

قلندر باباؒ اولیاءؒ فرماتے ہیں:

انبیاء اکرام جب کسی چیز کے متعلق سوچتے تو اس چیز کے اور اپنے درمیان کوئی رشتہ براہ راست قائم نہیں کرتے تھے۔ ہمیشہ ان کی طرزِ فکر یہ ہوتی تھی کہ کائنات کی تمام چیزوں کا اور ہمارا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ کسی چیز کا رشتہ ہم سے براہ راست نہیں ہے بلکہ ہم سے ہر چیز کا رشتہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے جب وہ کسی چیز کی طرف مخاطب ہوتے تھے تو اس چیز کی طرف خیال جانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف خیال جاتا تھا۔

انہیں کسی چیز کی طرف توجہ دینے سے پیشتر یہ احساس عادتاً ہوتا تھا یہ چیز ہم سے براہ راست کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ اس چیز کا اور ہمارا واسطہ محض اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ہے۔ جب ان کی طرزِ فکر یہ ہوتی تھی تو ان کے ذہن کی ہر حرکت میں پہلے اللہ تعالیٰ کا احساس ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ بحیثیت محسوس کے ان کا مخاطب اور مدِ نظر قرار پاتا تھا اور قانون کی رُو سے اللہ تعالیٰ کی صفات ہی ان کا احساس بنتی تھیں۔ اور ان کا ذہن اللہ تعالیٰ کی صفات کا قائم مقام بن جاتا تھا۔'' اس اجمال کی تفصیل میں آپ نے فرمایا:

''اگر ہم کسی شخص سے قربت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں بھی وہی کرنا ہوگا جو ہمارا مطلوب کرتا ہے۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ سے دوستی اور قربت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں بھی وہی کرنا ہوگا جو اللہ تعالیٰ کرتے ہیں۔ ''

باباصاحب سے عرض کیا گیا۔ ''حضور! اللہ میاں بھی کوئی کام کرتے ہیں اور اگر کرتے ہیں تو کیا بندہ وہ کام کر سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کرتے ہیں؟"

فرمایا۔ ''اللہ تعالیٰ ہر وقت اور ہر آن اپنی مخلوق کی خدمت میں مشغول ہیں۔ مخلوق کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کی زندگی کے لئے وسائل فراہم کرتے ہیں لیکن اس معاملے میں مخلوق سے کوئی صلہ یا بدلہ نہیں چاہتے۔ بندہ اگرچہ خالق کی سطح پر مخلوق کی خدمت نہیں کر سکتا لیکن اپنی سکت، صلاحیت بساط کے مطابق کسی صلے یا بدلے کے بغیر وہ اللہ کی مخلوق کی خدمت کر سکتا ہے۔ وہ مخلوق ہوتے ہوئے وسائل کی احتیاج سے ماورا نہیں ہو سکتا لیکن اپنی ہر حاجت اور ضرورت کو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس سے وابستہ کر سکتا ہے۔ اس طرز عمل کی وجہ سے وہ اللہ کی بادشاہت کا ایک رکن بن جاتا ہے۔''

مزید فرمایا:

''ہر کام پوری جدوجہد اور کوشش سے کیا جائے لیکن نتائج کو اللہ تعالیٰ کے اوپر چھوڑ دیا جائے۔''

www.ksars.org
KSARS

باباصاحبؒ نے نوعِ انسان کو یاد دلایا کہ:

"تسخیرِ کائنات اور جنت کی زندگی اس کا ورثہ ہے لیکن اس ورثہ کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ انسان اس صلاحیت سے متعارف ہو جو جنت کی زندگی میں اسے حاصل تھی۔ اس صلاحیت کا حصول روح سے قریب ہوئے بغیر ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ جو شخص اپنے اِنّر سے واقفیت حاصل کر لیتا ہے تو وہ ابدی سکون و راحت کو پالیتا ہے۔"

*****

www.ksars.org

تاج الدین باباؒ

چوپائے کسی کی نوکری نہیں کرتے اور پرندے دُکانیں نہیں سجاتے۔ لیکن زندگی گزارنے کے تمام وسائل قدرت انہیں مہیا کر دیتی ہے۔

چوپائے ہوں یا پرندے ان کی معاشی اور معاشرتی زندگی کا تجزیہ ہمیں بتاتا ہے کہ وہ بھی جذبات واحساسات کے تانے بانے میں بنےُ ہوئے ہیں۔ جنس، غصہ، مادری محبت پدری شفقت ان کے اندر بھی موجود ہے۔ پرندوں کو اپنے بچوں کی مستقبل کی فکر بھی دامن گیر رہتی ہے۔ بچے جب زندگی گزارنے کے لئے تعلیم و تربیت کا دور پورا کر لیتے ہیں تو ماں باپ اپنا گھر (گھونسلہ) بچوں کے سپرد کر کے پرواز کر جاتے ہیں اور اپنے لئے ایک ایک تنکا جمع کر کے نیا گھر تعمیر کرتے ہیں۔

چرندے ہوں، درندے ہوں یا پرندے، وہ عقل و شعور بھی رکھتے ہیں۔ حشرات الارض (کیڑے مکوڑے) یہ جانتے ہیں کہ ضروریات پوری کرنے کے لئے پیشگی انتظام نہیں کیا گیا تو ہماری نسل باقی نہیں رہے گی۔ خطہ ارض پر ایسے چوپائے بھی موجود ہیں جن میں مستقبل بینی کی صلاحیت عام آدمیوں سے کہیں زیادہ ہے۔ بلی اور کتے کو آنے والی مصیبتوں اور بلاؤں کی یلغار کا پہلے سے پتہ چل جاتا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آدمی اور حیوان میں فرق کیا ہے؟ آدمی اور حیوان میں کوئی فرق نہیں۔ آدمی بھی چوپایوں کی طرح دو پیروں سے چلنے والا جانور ہے۔ بصیرت سے دیکھا جائے تو آدمی حیوانات سے ہر لحاظ سے کم تر ہے، جتنا یقین ایک چڑیا کو اپنے خالق کے اوپر ہے آدمی کے اندر اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہے۔ جتنا اِستغنا ایک چیونٹی کو ہے آدمی اس سے محروم ہے۔ جو کردار آدمی کو حیوانات سے ممتاز کرتا ہے وہ فکر و شعور کے دائرے میں رہتے ہوئے خالق حقیقی سے رابطہ ہے۔ اگر کسی بندہ کا اپنے خالق سے ربط نہیں ہے تو وہ دراصل دو پیروں سے چلنے والا جانور ہے۔ ایک جانور چار پیروں سے چلنے والا ہے، دوسرا دو پیروں سے چلنے والا ہے۔ اڑنے والا جانور اور تیرنے والا جانور بھی چار پیروں سے چلنے والے جانوروں میں شامل ہیں، اس لئے کہ وہ پر بھی استعمال کرتا ہے اور پیر بھی۔ نیز اس کے اڑنے کی صورت وہی ہوتی ہے جو چار پیروں سے چلنے والے جانور کی ہوتی ہے۔

حیوانات کی نوعوں میں بے شمار دوسری نوعوں کی طرح ایک نوع آدمی بھی ہے لیکن جب کسی بندے کا تعلق اللہ تعالی سے قائم ہو جاتا ہے تو وہ جانوروں کے گروہ سے نکل کر انسان بن جاتا ہے اور انسانوں کی فکر و فہم یہ ہوتی ہے کہ وہ برملا پکار اٹھتے ہیں ہمارا جینا، ہمارا مرنا سب اللہ کی طرف سے ہے اور اس کی یقینی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب ہمیں پیدا کیا تھا تو پوچھ کر پیدا نہیں کیا تھا۔ دنیا میں ایک فردِ واحد بھی ایسا نہیں ہے جو اپنی مرضی سے پیدا ہوا ہو یا اپنی مرضی سے ہمیشہ زندہ رہے۔ ہم ان ہی وسائل سے استفادہ کرتے

www.ksars.org
KSARS

ہیں جو ہمارے لئے پہلے سے تخلیق کر دیئے گئے ہیں۔اس نقطہ کو حضرت باباتاج الدین ناگپوریؒ نے اپنے ایک دوہے میں اس طرح بیان کیا ہے۔

اجگر کریں نہ چاکری پنچھی کریں نہ کام

داس ملوکا کہہ گئے سب کے داتارام

*****

KSARS
www.ksars.org

چڑیا گھر

کراچی کے چڑیا گھر میں شیرنی کے نو مولود بچوں کو دیکھنے کے لئے ایک ہجوم جمع ہے۔ ننھے منھے بچے رنگ رنگ لباس پہنے شیرنی کے پنجرے کے سامنے کھڑے ہیں۔اور شیرنی کے بچوں کو دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں۔ شیرنی مامتا کے ساتھ اپنے بچوں کے قریب بیٹھی ہوئی اپنے بچوں کی طرح آدم کے بچوں کو بھی شفقت کی نظر سے دیکھ رہی ہے۔ کبھی کبھی اپنے بچوں کی شرارت کو ناپسندیدہ نظروں سے دیکھتی ہے اور انہیں آنکھوں ہی آنکھوں میں منع کرتی۔ لیکن بچے ہیں کہ شرارت سے باز نہیں آتے۔اور شیر کے بچوں کی شرارت، اچھل کود سامنے کھڑے آدم کے بچوں کے لئے تفریح کا سامان فراہم کر رہی ہے۔۔۔۔ ذرا دور، شیر بھی باوقار انداز میں ٹہل رہا ہے۔ وہ بھی بردباری کے ساتھ اپنے بچوں کو دیکھ کر خوش تو ہو رہا ہے لیکن چہرے سے کوئی خاص تاثر قائم ہونے نہیں دیتا ویسے نگرانی پوری اور سخت ہے۔

میری اچٹتی ہوئی نظر جنگل کے بادشاہ شیر پر پڑی تو میں اس کی آنکھوں میں سحر اور چمک سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ شیر کی آنکھوں سے میری آنکھیں چار ہوئی تو مجھے محسوس ہوا کہ شیر کے دماغ میں خیالات بننے والی لہریں آنکھوں کے ذریعے شیر کی آنکھوں کے اندرونی عضلات (Muscles) سے ٹکرا رہی ہیں اور پھر یہ لہریں میری دماغ کی اسکرین پر منعکس ہو کر کوئی پیغام دے رہی ہیں۔

اس صورت حال سے پہلے تو گھبرا گیا کہ کہیں شیر بھی کوئی پیغام دے سکتا ہے۔ یہ بے زبان درندہ مجھ جیسے اشرف المخلوقات سے کیا کہہ سکتا ہے؟

جیسے ہی ذہن میں یہ خیال آیا کہ شیر درندہ ہے، شیر کی مخمور آنکھوں میں خمار کے طوفان اٹھ کھڑے ہوئے اور نشریات کا دباؤ اتنا زیادہ ہو گیا کہ میں شیر کی گفتگو سننے پر مجبور ہو گیا۔ شیر مجھ سے ٹیلی پیتھی کے طریقے پر گفتگو کر رہا تھا۔

اس نے طنز بھرے لہجے میں کہا:۔

اے آدم زاد ! تو مجھے درندہ کہتا ہے۔ درندگی کی تعریف یہی تو ہے کہ میں اپنے سے کمزور جانوروں کا شکار کر کے اپنا پیٹ بھرتا ہوں۔ کیسی عجیب بات ہے شیر گوشت کھائے تو وہ درندہ ہے اور آدمی جو اپنا شوق پورا کرنے کے لئے چھوٹی سے چھوٹی چڑیا کو بندوق سے شکار کرتا ہے اور گوشت کھاتا ہے۔ درندہ نہیں ہے۔

www.ksars.org

شیر کی یہ بات سن کر میرا شعور لرزنے لگا میں نے بہت چاہا کہ تاویل میں شیر سے کچھ کہوں مگر میرا سارا علم اور اشرف المخلوقات ہونے کا سارا غرور سر کے بل آ رہا۔ اب میں شیر کی آنکھوں سے نکلنے والی لہروں سے راہ فرار اختیار کرنے کی سوچ ہی رہا تھا کہ میرے اوپر شیر کے بچوں کی ماں نے اپنی نظریں گاڑ دیں اور یوں گویا ہوئی:۔

اے آدم زاد!

تو کس برتے پر اکڑتا ہے ؟ دیکھ، میری طرف دیکھ! مجھ سے آنکھیں نہ چرا، میں مونث ہوں تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہمارے اوپر جنس مسلط نہیں رہتی۔ ہم اس کو تفریح طبع کے لئے استعمال نہیں کرتے بلکہ قانونِ قدرت کے تخلیقی نظام میں اپنا کردار پورا کرنے کے لئے یہ عمل انجام دیتے ہیں۔

اے اشرف المخلوقات ہونے کا دعویٰ کرنے والے!

ذرا سن_____! یہاں کچھ دنوں پہلے تیری نوع کا ایک آدمی آیا تھا۔ یہ جو میرا شوہر ہے نا، یہ ذرا فلسفی اور منطقی مزاج رکھتا ہے بیٹھے بیٹھائے اسے کیا سوجھی کہ آدم زاد سے اُلجھ پڑا اور کہنے لگا میں تجھ سے زیادہ زور آور ہوں

آدمی نے کہا!" نہیں میں تجھ سے زیادہ زور آور ہوں۔"

میرے شوہر نے اس کی دلیل مانگی تو آدمی نے اپنی

جیب سے ایک فوٹو نکال کر اسے دیکھایا اس تصویر میں آدمی شیر کے اوپر بیٹھا تھا۔

شیر نے کچھ دیر غور کیا۔ پھر اس آدمی سے پوچھا۔"یہ تصویر کس نے بنائی ہے ؟"

آدم زاد نے جواب دیا۔"یہ تصویر آدم زاد نے بنائی ہے۔"

شیر نے ایک زوردار قہقہہ لگایا جس سے سارا چڑیا گھر زیر وزبر ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ پھر شیر نے کہا۔"اے آدم زاد تو کتنا بے وقوف اور جاہل ہے کہ اتنی سی بات بھی تیرے شعور میں نہیں ہے آئی____ کہ اگر یہ تصویر کسی شیر نے بنائی ہوتی تو شیر اوپر ہوتا اور آدمی نیچے ہوتا۔"

بچوں کی اچھل کود اور اور آس پاس کے شور و شغب نے شیرنی سے میرا رابطہ توڑ دیا اور کچھ نہ سوچنے کے ارادے کے باوجود بہت کچھ سوچتے ہوئے چڑیا گھر سے واپس آ گیا۔

www.ksars.org

پیوند کاری

ہوا یوں کہ رات کے وقت سوتے سوتے آنکھ کھلی تو تجربے میں یہ بات آئی کہ سو کر اٹھنے کے بعد دماغ خالی خالی رہتا ہے۔ جب تک پلکوں کی جنبش بار بار آنکھوں کے ڈیلوں کو مضروب نہ کرے، دماغ میں کوئی خیال نہیں آتا۔ کیوں کہ آنکھ اچانک کھلی تھی، اس لیے پلکوں کی جنبش میں کچھ تاخیر ہوئی۔ اسی مناسبت سے دماغ خالی رہا۔ شعوری طور پر دماغ خالی تھا لیکن لاشعور کی جھلک دماغ کی اسکرین (Screen) پر کچھ اس طرح پڑی کہ پہلے ایک چکا چوند سی ہوئی۔ پھر اس چکا چوند میں ایک رال کا گولہ سا پھٹا۔ یہ رال کا گولا کیا ہے؟ اس کا مشاہدہ میں نے ۱۹۶۵ء کی جنگ میں کیا تھا۔ جب ریڈار (Radar) کے اوپر تصویر منعکس ہوتی ہیں کہ ہوائی جہاز حملہ کرنے والے ہیں تو آسمان کے اوپر آسمان کو روشن کرنے کے لئے گولے پھینکے جاتے ہیں اور یہ گولے نہایت سفید روشنی سے فضا کو روشن اور منور کر دیتے ہیں۔ اور یہ گولے دراصل رال کے ہوتے ہیں۔

مرکری (MURCURY) روشنی جب دماغ سے پھوٹی تو اندر کی آنکھ نے یہ دیکھا کہ تخلیق ڈائیوں (DYES) میں ہو رہی ہے۔ یعنی کائنات میں موجود جتنی اشیاء ہیں، ان سب کے لئے ایک ایک ڈائی (DYE) مخصوص ہے۔ جس طرح چڑیا کی ڈائی (DYE) میں پلاسٹک ڈال کر چڑیا بنالی جاتی ہے اور کبوتر کی ڈائی میں یہی پلاسٹک ڈال کر کبوتر بنالیا جاتا ہے۔ اسی طرح قدرت کی بنائی ہوئی ڈائیوں میں مصالحہ (MATTER) ایک خاص طریقہ کار (PROCESS) سے منتقل ہوتا رہتا ہے اور نئی نئی چیزیں وجود میں آتی رہتی ہیں۔

تخلیق کرنے والی ایک واحد ہستی ہے جس نے ایک دوسری ہستی کو تلاش کرنے کی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ لیکن یہ بات اپنی جگہ نا قابل تردید ہے کہ جو دوسری ہستی ہے، تخلیق میں وہی چیزیں یا وہی عناصر وہی موجود MATTER استعمال کرنے پر مجبور ہے جو پہلی واحد اور یکتا ہستی نے بنادی ہیں۔

اس دوسری ہستی کا نام انسان ہے انسان جب بھی کوئی نئی چیز وجود میں لاتا ہے یا تخلیق کرتا ہے تو اس ذیلی تخلیق میں کسی نہ کسی صورت اللہ کی بنائی ہوئی اشیاء کا داخل ہوتا ہے۔ یعنی اللہ کی تخلیق سے ذیلی تخلیقات عمل میں آتی ہیں۔ جب وہ تخلیقات آپس میں ایک دوسرے کے اندر جذب ہوتی ہیں یا جذب کر دی جاتی ہیں تو نتیجہ میں تیسری شئے وجود میں آجاتی ہیں۔ مثلاً تخلیق کا ایک مظہر پانی ہے۔ اور تخلیق کا دوسرا مظہر مٹھاس ہے۔ مٹھاس اور پانی کو باہم دیگر ملا دیا جائے تو شربت بن جاتا ہے۔

دو تخلیقات میں پیوند کاری کر کے تیسری چیز بھی بنائی جاتی ہے۔ جانوروں میں پیوند کاری سے خچر کا وجود سامنے آتا ہے آم کے درختوں میں پیوند کاری ہوتی ہے تو عام کی بے شمار قسمیں بن جاتی ہیں۔ اعلیٰ ہذالقیاس اس قسم کی پیوند کاری کا ایک نظام ہے جو دنیا

www.ksars.org

میں جاری وساری ہے۔اس پیوند کاری کے شعبے پر نظر ڈالی جائے تو دیکھا یہ جاتا ہے پیوند کاری کی صلاحیت اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی تخلیق،انسان کے اندر نمایاں طور پر موجود ہے۔ کسی انسان اور درخت اور یا کسی انسان اور جانور میں یہ حدِ فاصل قائم ہے کہ انسان پیوند کاری کر سکتا ہے لیکن درخت پیوند کاری نہیں کر سکتے۔

جو لوگ نظر کے قانون سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ جب رُوح کی آنکھ وا ہوتی ہے تو فاصلے معدوم ہو جاتے ہیں۔لاکھوں سال کا وقفہ سیکنڈوں میں سمٹ جاتا ہے آدم سے لیکر موجودہ سائنسی دور تک تمام ارتقائی منازل فلم کی طرح سامنے سے گزر جاتے ہیں۔

غاروں،پتھروں کے دور سے نکل کر نظر نے موجودہ سائنسی زمانہ کا احاطہ کیا تو یہ دیکھ کر اضطرابی کیفیت طاری ہو گئی کہ انسان نے جن ارتقائی مراحل کا نام ترقی رکھا ہے وہ دراصل ترقی نہیں ہے۔ترقی کا محور انسانی فلاح و بہبود نہیں بلکہ ہلاکت ہے۔اس ہلاکت خیز ترقی کے پس منظر میں کوئی معقول جواز بھی نہیں ہے۔صرف دولت کے انبار جمع کرنا ہے جب نظر یہاں ٹھہری کہ انسان انسان کی پیوند کاری (TEST TUBE BABY) میں بھی مصروف ہیں تو ظلم و جہالت کی گھٹائیں اٹھتی ہوئی محسوس ہوئی ہیں۔ تحت الشعور نے بتایا کہ ناشکرے انسان نے اپنی حیثیت کم کر کے خود کو درختوں کی صفت میں شامل کر لیا ہے۔

درخت قدرت کی ایسی تخلیق ہیں جو ایندھن بنتے ہیں۔ مطلب یہ نکلا کہ زمین کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ انسان کو ایندھن کے طور پر استعمال کرے۔چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس زمین کو پابند کر دیا کہ وہ انسان کے حکم کی تکمیل کرے،اس لئے کرۂ ارض مسلسل اور متواتر آتش فشاں بنتا جا رہا ہے۔یقیناً انسان نے اگر اپنی حالت نہیں بدلی تو عنقریب زمین اس کی نوع کو جلا کر خاکستر کر دے گی۔

فا عتبرو ویا اولی الابصار

*****

www.ksars.org

روزہ

روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس کا کوئی بدل نہیں ہے۔ روزے کے عظیم فوائد اور بے پایاں اثرات کو بیان کیا جائے تو اس کے لئے ہزاروں ورق بھی ناکافی ہوں گے۔ مختصر یہ ہے کہ روزہ امراضِ جسمانی کا مکمل علاج ہے۔ روحانی قدروں میں اضافہ کرنے کا ایک موثر عمل ہے۔ برائیوں سے بچنے کے لئے ایسی ڈھال ہے جس کا توڑ کوئی نہیں۔ روزے دار ایک مخصوص دروازے سے جنت میں داخل ہونگے۔ قیامت کے دن روزہ اس بندے کی سفارش کرے گا جس نے پورے ادب واحترام کے ساتھ روزے کو خوش آمدید کہا تھا۔ روزہ رکھنے سے جسمانی کثافتیں دور ہو جاتی ہیں اور آدمی کے اندر لطیف روشنیوں کا بہاؤ تیز ہو جاتا ہے۔ روشنیوں کے تیز بہاؤ سے آدمی کے ذہن کی رفتار بڑھ جاتی ہے۔ اتنی بڑھ جاتی ہے کہ اس کے سامنے فرشتے آجاتے ہیں اور وہ غیب کی دنیا میں اپنی رُوح کو سیر کرتے دیکھتا ہے۔

شعبان کی آخری تاریخ کو حضور پاک الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

"لوگو ! تم پر ایک بہت عظمت و برکت کا مہینہ سایا فگن ہونے والا ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں ایک رات ایک ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔ "

خدا نے اپنے بندوں پر روزے فرض کئے ہیں قرآن پاک اس مہینے میں نازل ہوا۔ دوسری آسمانی کتابیں بھی اسی مہینے میں نازل ہوئیں ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رمضان کی پہلی یا تیسری تاریخ کو صحیفے عطا کئے گئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو رمضان المبارک میں ۱۲ یا ۱۸ میں زبور دی گئی۔ اس مہینے کی ۱۶ تاریخ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی گئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اس رمضان المبارک کے مہینے کی ۱۲ یا ۱۳ کو انجیل دی گئی۔

مختصر یہ ہے کہ رمضان جس میں نازل ہوا قرآن، ایک پر عظمت اور فضیلت و حکمت سے معمور مہینہ ہے جو انسانی شعور کو مصفّٰی اور صقیل بنا دیتا ہے۔ محض اللہ کے لئے بھوکے پیاسے رہنے سے آدمی کی رُوح آسمان کی وسعتوں میں پرواز کر کے عرش کی رفتوں کو چھو لیتی ہے۔

روزہ ایک ایسی عبادت ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام کی امتوں پر فرض رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

www.ksars.org

"ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے پہلے کے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم متقی اور پرہیزگار بن جاؤ۔"

یہی وہ باسعادت مہینہ ہے جس میں حضرت جبریلؑ نبی مکرم خاتم النبیین ﷺ کو قرآن سناتے تھے اور رسول اللہ ﷺ سے قرآن سنتے تھے۔

آپ بھی قرآن ٹھہر ٹھہر کر اور سمجھ سمجھ کر پڑھیے۔ اس عمل سے خدا کے ساتھ بندے کا تعلق مضبوط ہوتا ہے۔ دل کھول کر غریبوں، بیواؤں، یتیموں اور ناداروں کے ساتھ ہر قسم کا تعاون کیجیے۔ فیاضی اور سخاوت کے پیکر، اللہ کے رسول ﷺ رمضان میں بہت زیادہ سخاوت فرماتے تھے۔

آیئے! عہد کریں کہ ہم بھی رسول اللہ ﷺ کی عادتِ مبارکہ پر عمل کر کے اپنے غریب بھائیوں کی ہر طرح مدد کریں گے۔

*****

www.ksars.org
KSARS

غار حرا میں مراقبہ

انسانی شعور اور اس کے ارتقاء کا تذکرہ ہمیں لازماً اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ جس مقام یا جس حیثیت میں ہم آج موجود ہیں اس کا سہرہ ہمارے اسلاف کے سر بندھا ہوا ہے۔ نوعِ انسانی کے جد مجد آدم کو جب اس دنیا میں پھینکا گیا تو وہ شعور کی اس منزل میں تھے جہاں آج کا ایک نوزائیدہ بچہ ہوتا ہے۔ اس بچہ (آدم) کی زندگی کے لمحات آن بنے۔ آن سیکنڈوں میں تبدیل ہوئی، سیکنڈ منٹ بنے ۔ منٹ نے خود کو گھنٹوں میں گم کر دیا، گھنٹوں نے رات دن کا لباس زیبِ تن کیا۔ رات اور دن نے سالوں کا روپ دھارا۔ سال کی گھڑیاں صدیوں کی آغوش میں دم توڑتی رہیں اور یوں قرن وجود میں آتے رہے۔

آدم نے شعور کا سانس لیا تو زندگی قائم رکھنے کے لئے کچھ کرنے، کچھ کھانے، کچھ پہننے کے لئے تقاضا ابھرا۔ تقاضے میں شدت پیدا ہوئی تو گداز بنا اور یہ گداز آنکھوں سے بہ نکلا۔ اس سیل رواں پر بند باندھنے کے لیے جبریل امینؑ عرش سے فرش پر اترے اور آدم سے گویا ہوئے۔

''اے بھولے بادشاہ! رونے دھونے سے کام نہیں بنے گا تم نے خود اپنے اوپر ظلم کیا ہے اس ظلم کی چکی پیسنے کے لئے کچھ دو، کچھ لو کے مصداق محنت کرو گے تو پاؤ گے ۔ اٹھو اور نافرمانی کی پاداش میں زمین پر مشقت کرو اور پیٹ کا ایندھن جمع کرو۔''
قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں۔ ''میں نے یہ تمثالیں دیکھی ہیں____ حضرت جبرئیلؑ آگے آگے چل رہے تھے اور آدم ان کے نقش و قدم پا پر آہستہ خرام پیچھے پیچھے۔ قطعہ زمین کے ایک مربع پر حضرت جبرئیلؑ کھڑے ہو گئے اور کہا۔ "یہ کھیت ہے۔ یہاں بیج ڈالو اور اس کو سینچ سینچ کر پروان چڑھاؤ۔ کھاؤ اور پیو ! "

آدم تیزی سے دو قدم آگے بڑھے اور "کہا یہاں تک حد مقرر کر دو۔''

حضرت جبرئیلؑ نے بہت ہی دکھ کے ساتھ کہا۔ ہائے افسوس، صد افسوس! تم نے اپنی اولاد میں حرص کا بیج بو دیا ہے۔ یہ بات تمہاری عقل میں کیوں نہیں آئی کہ ساری زمین اللہ نے تمہاری ملک قرار دے دی ہے۔''

نوع آدم کا پہلا ارتقاء یہ ہوا کہ اس نے زمین میں بیج بونا سیکھا۔ زمین کی کوکھ سے کانٹوں نے جنم لیا تو آدم نے شعوری طور پر چبھن محسوس کی۔ پھول کھلے تو ذہن وارفتگی کے عالم میں آسمان کی رفتوں کو چھونے لگا۔

www.ksars.org

شگوفے اور خار، پھول اور کانٹے اپنی ذات میں ایک محسوساتی ردِّ عمل ہیں۔ ردِ عمل طرز فکر کی نشاندہی کرتا ہے۔ طرزِ فکر میں ایمان ،یقین، مشاہدہ موجود ہے تو آدم کی اولاد سکون آشنا ہے۔ طرزِ فکر میں بے یقینی، شک اور کور چشمی ہے تو زندگی کانٹوں بھری ایک سیج ہے، ہر کروٹ لہولہو اور ہر سانس فنا ہے۔

نوعِ انسانی اپنے باپ آدم کے اس ورثہ پر رواں دواں ہے۔ آدم نے نافرمانی کی، اولاد کو نافرمانی کا ورثہ منتقل ہوا۔ آدم نے عجز و انکسار کے ساتھ عفو در گزر کی درخواست رب کائنات کے حضور پیش کی اور پکارا۔ "اے ہمارے رب! ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اگر آپ نے ہمیں معاف نہیں کیا اور ہمارے اوپر رحم نہیں کیا تو ہم تیری نعمتوں سے محروم رہ جائیں گے۔ اور یہ نقصان ایسا نقصان ہے جس کی تلافی کسی طرح بھی ممکن نہیں۔"

ایک طرز فکر بندے کو خالق سے قریب کرتی ہے دوسری طرز فکر بندے کو خالق سے دور کرتی ہے۔ ہم جس طرز فکر سے جس قدر قریب ہو جاتے ہیں اسی مناسبت سے ہمارے اوپر رحمتوں یا صعوبتوں کے دروازے کھلتے رہتے ہیں۔ انعام یافتہ شخص آلام و مصائب کی زندگی سے ناآشنا ہو جاتا ہے اور یہ دنیا اس کے لئے جنت کا گہوارہ بن جاتی ہے۔

ہم اس رحمت و عنایت کو رسول اللہ ﷺ کی پہلی سنت ادا کر کے نہایت آسانی کے ساتھ حاصل کر سکتے ہیں۔ محبوبِ خدا کی اوّلین سنت غار حرا میں مراقبہ ہے۔

*****

www.ksars.org

نماز

دراز ریش، غزالی آنکھیں، کھلی پیشانی، کتابی چہرہ___ایک بڑے عالم فاضل تشریف لائے۔ دورانِ گفتگو حدیث کا تذکرہ نکل آیا۔ صاحب موصوف نے کہا:

"حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کچھ ہونے والا ہے قلم اس کو لکھ کر خشک ہو گیا جب قلم لکھ کر خشک ہو گیا تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رُوحانیت کیا ہے؟"

روزانہ صبح ہوتی ہے۔ صبح کے تاثرات اور ماحول بھی موسم کے لحاظ سے یکساں ہوتا ہے۔ مگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہر صبح نئی صبح ہے۔ رات آتی ہے۔ ایک بستر، ایک چارپائی، ایک کمرہ اور ایک ہی گھر میں ہم سوتے ہیں مگر سمجھتے یہ ہیں کہ ہر رات نئی رات ہے۔ بھوک لگتی ہے تو ہم کھانا کھا لیتے ہیں۔ روٹی ہماری خوراک ہے لیکن ہر مرتبہ ہم اسے نئی روٹی سمجھ کر کھاتے ہیں۔ تو کیا ہم فریب کی زندگی نہیں گزار رہے ہیں؟ اور جب ساری زندگی ہی فریب ہے تو رُوحانیت کے بلند بانگ دعوؤں کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے؟ قوم پہلے ہی کون سی باعمل ہے جو آپ مزید بے عملی کا درس دے رہے ہیں۔"

اس حدیث کی تشریح بیان کرتے ہوئے ابدالِ حق قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا تھا:

"ایک کتاب ہے جو لکھی جا چکی ہے یعنی یہ کتاب ماضی (RECORD) ہے اب اس کتاب کو پڑھنے کی طرزیں مختلف ہیں، اگر کتاب شروع سے ترتیب و مسلسل سے پڑھی جائے یعنی ایک لفظ، پھر دوسرا لفظ، ایک سطر، پھر دوسری سطر، ایک صفحہ پھر دوسرا صفحہ، پھر تیسرا صفحہ۔ علیٰ ہذالقیاس اسی طرح پوری کتاب کا مطالعہ کیا جائے تو مطالعہ کی یہ طرز وہ طرز ہے جو بیداری (شعور) میں کام کرتی ہے۔

انسان کا شعوری تجربہ یہ ہے کہ ایک دن گزرتا ہے، پھر دوسرا دن گزر جاتا ہے، ایک ہفتہ گزرتا ہے، پھر دوسرا ہفتہ گزرتا ہے۔ اسی طرح ماہ و سال اور صدیاں اسی ترتیب اور اسی طرز سے یعنی ایک کے بعد ایک کر کے گزرتی رہتی ہیں۔ منگل کے بعد جمعرات کا دن اس وقت تک نہیں آ سکتا جب تک کہ بُدھ کا دن نہیں گزر جاتا۔ شوال کا مہینہ اس وقت تک نہیں آتا جب تک کہ رمضان اور اس کے پہلے کے مہینے نہیں گزر جاتے۔ یہ طرز انسان کے اندر شعوری طرز (زمان و مکان کی قید و بند) ہے۔ اس طرز کو بیداری کہا جاتا ہے۔ اور جب یہ شعوری طرز کتاب کے ورق کے دوسرے صفحے پر منتقل ہو جاتی ہے تو ٹائم اسپیس سے آزاد لاشعوری طرز بن جاتی ہے۔ آسان الفاظ میں اس بات کو اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ ایک ہی طرز دو خانوں میں ردوبدل ہو رہی ہے۔ اور

www.ksars.org

اس ردوبدل یاخیال کاالٹ پلٹ ہوناہی ہماری زندگی ہے۔ان حقائق کی روشنی میں یہاں جو سب کچھ ہے وہ کتاب میں لکھا جاچکا ہے ۔کتاب ازل ہے اور ازل ماضی ہے۔رہا گناہ ثواب،اچھائی برائی کا تصور۔یہ اطلاع میں معنی پہنانے کا ایک عمل ہے۔وہی چیز جو اچھی ہے بری بھی ہے ایک آدمی نماز قائم کرتا ہے لیکن قرآنِ پاک کے ارشاد کے مطابق اگر وہ اپنی نماز کی حقیقت (نماز میں اللہ تعالی کے ساتھ تعلق اور ربط قائم ہونا) سے بے خبر ہے تو نماز اس کے لئے ہلاکت اور بربادی کا سبب بن جاتی ہے۔

صلوۃ (نماز) کا مفہوم یہ ہے کہ وہ مومن کو غیب کی دنیا میں داخل کردیتی ہے جب کہ عام مشاہدہ یہ ہے کہ غیب کی دنیا سے باخبری تو کجا نماز میں حضور قلب بھی نصیب نہیں ہوتا۔ نمازی جیسے ہی نیت باندھتا ہے خیالات کی یلغار اس کے اوپر مسلط ہوجاتی ہے۔

ابدال حق قلندر باباؒاولیاءؒ فرماتے ہیں کہ قلم لکھ کر خشک ہوگیا کا روحانی مفہوم یہ ہے کہ کائنات میں ماضی کی حکمرانی ہے اور بندے نے امانت قبول کرکے اپنے اوپر یہ ذمہ داری عائد کرلی ہے کہ وہ ماضی کی حکمرانی کو قبول کرلے۔ماضی زمانہ ہے،زمانہ اللہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشادعالی مقام ہے کہ۔''زمانے کو برا نہ کہو،زمانہ اللہ ہے۔''لا تسوء الدھر ان الدھر ھو اللہ

''ازل میں سب کچھ ہوچکا ہے'' سے مراد یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالی نے انسان کو مجبور محض بنادیا بلکہ ازل میں جو کتاب لکھی گئی اس میں جہاں زحمت اور رحمت کی دو طرزیں متعین ہیں وہاں اس بات کی وضاحت بھی موجود ہے کہ بندہ اپنا اختیار استعمال کرکے اپنے لئے کسی ایک طرز کا انتخاب کرسکتا ہے۔کتاب کی تحریر یہ ہے کہ زید کے لیے دو راستے ہیں____ ایک کا انجام زحمت ہے اور دوسرے کا نتیجہ رحمت ہے ۔
رُوحانیت کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کہ روحانیت کے علاوہ کوئی ایسا راستہ نہیں جو انسان کو ماضی (ازل میں لکھی ہوئی کتاب)سے متعارف کراسکے۔

*****

www.ksars.org

وراثت

قانون قدرت کی روح سے ہر شخص کا ایک تشخص ہے۔ خواہ ہم اسے غیر مرئی سمجھیں کوئی اہمیت نہ دیں۔

اس دنیا میں انسان کی خواہشات اور تمنائیں اس کے اعمال وافعال کا محور بنتی ہیں اور عموماً یہ اس کے گوشت پوست کے جسم تک محدود رہتی ہیں۔ قانون کے تحت یہ خواہشات اور تمنائیں بھی تشخص کی حامل ہیں۔ دولت، عـزت اور وقار کی خواہش بھی ایک تشخص ہے۔ شہرت، ناموری اور بالادستی کی آرزو بھی تشخص رکھتی ہے۔ صلہ اور معاوضہ کی تمنا بھی بے تشخص نہیں۔ واضح رہے کہ تقاضوں کی تکمیل اور خواہش اور تمنا کے حصول میں بڑا فرق ہے۔

جب انسان کسی خواہش کی تکمیل کو اپنا نصب العین بنالیتا ہے تو درحقیقت وہ اس کے تشخص کو اپنے اوپر مسلط کرلیتا ہے۔ اگر انسان کا مطمحِ نظر ذاتی مفاد ہے تو وہ جسم خاکی میں مقید ہو جاتا ہے۔ جہاں تنگی ہے، گھٹن ہے، اندھیرا ہے، وہ اس تشخص کے طول و عرض میں بند رہتا ہے۔ باہر نہیں نکل سکتا۔ تیرہ و تاریک قید خانہ میں بند قیدی کی طرح اس کا رابطہ وسیع و عریض رنگین دنیا سے باقی نہیں رہتا۔

فعل و عمل میں اپنی ذات کو اولیت دینے سے جو خول وجود میں آتا ہے وہ انسان کا رشتہ لازمانیت اور لامکانیت سے منقطع کر دیتا ہے۔ وہ ایک محدود دائرے کے اندر سوچتا، سمجھتا اور محسوس کرتا ہے۔ اس کی مثال ریشم کے کیڑے سے دی جاسکتی ہے۔ جس کا دائرہ کار ریشم کے خول تک محدود رہتا ہے اور وہ بیرونی دنیا سے لاتعلق ریشم کے تار و پود کو مستحکم کرنے میں مصروف رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا نحیف و ناتوان جسم ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔

انبیاء اکرام نے اس بات کو سمجھا کہ یہ کائنات ایک ماوراء الماوراء اور لامحدود تشخص کی بنا پر قائم ہے۔ انہوں نے اپنے اعمال وافعال کا مرکز ومنتہا اس ذات کو بنالیا اور اپنی ذات سے دست بردار ہو کر خود کو اس لامحدُود ہستی کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے ہر چیز کو اس ذاتِ عظیم کے واسطے (REFRENCE) سے پہچانا، خود کو درمیان سے ہٹایا۔

نتیجہ میں ان کی ہستی اور ان کے ارادے کی نفی ہو گئی۔ اور وہ خالقِ اکبر کے مظہر بن گئے۔ جب مٹی کا پتلا اور خواہشات کا خول محلِ توجہ نہیں رہا تو پتلے کے اندر موجود رُوحِ الٰہی آشکار ہوئی اور نظر اس کے جلال و جمال سے خیرہ ہو گئی۔ خفی جلی ہو گیا اور غیب شہود بن گیا۔ محدُودیت لامحدُودیت سے مغلوب ہو گئی اور خوف و حزن کی جگہ خوشی، سرشاری اور اطمینان قلب نے لے لی۔

www.ksars.org

صاحبِ مقام محمودِ نبی آخر زماں علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد بھی ایسے قدسی نفس حضرات ہر زمانے میں موجود رہے جنہوں نے عشق نبیؐ میں اپنی ہستیوں کی نفی کی اور اطاعتِ رسول میں خودی کو مٹادیا۔ان حضرات پر مقامِ نبیؐ منکشف ہوااور پھر ذات اکبر سے تعارف حاصل ہوا۔

جب یہ حضرات مخلوق خدامیں حاضر ہوئے تولوگ ان کی جانب پروانہ وار کھنچے حالانکہ ان کے پاس نہ مال وزر تھااور نہ کوئی ترغیب کاذریعہ۔ان حضرات نے بے صلہ اور بے غرض جس طرح مناسب سمجھا خلقِ خداکی خدمت کی اوران کے سامنے حق کی شمع بن کر فروزاں رہے۔

کتنی عجیب بات ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے ساری زندگی اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے سامان دنیااپنے گرد اکٹھا کیا،چند روز اُسے سینے سے لگانے کے بعد دوسرے لوگوں کے لیے وراثت میں چھوڑ گئے۔ان کے مرنے کے بعد لوگوں نے ان کے نام بھی فراموش کردیئے۔

دوسری طرف وہ پاکیزہ نفس لوگ ہیں جن کے ذکر پر آج بھی پیشانیاں عقیدت ومحبت کے جذبات سے جھک جاتی ہیں۔جب تک یہ لوگ عوام میں موجود تھے،پریشان قلوب اور سکون کے طلب گاران کی خدمت میں حاضر ہوتے اور جب پسِ پردہ چلے گئے تب بھی ان کا تشخص لوگوں کے سامنے موجود رہا۔اس لئے کہ انہوں نے ذاتی اغراض ومقاصداور خود پسندی کو بالائے طاق رکھ دیا،مایا جال ان کواپنی گرفت میں نہیں لے سکا۔ان سعید روحوں نے یہ راز جان لیاتھاکہ خود سے گزرے بغیر خدانہیں مل سکتا۔

*****

www.ksars.org

خلائی تسخیر

اس مادّی ترقّی یافتہ، پُر آشوب، احساسِ عدم تحفظ کے عفریت، بے اطمینانی، ڈر اور خوف کے شجر اور روحانی اقدار سے دور زمانہ میں بھی ایسے پاکیزہ نفس حضرات موجود ہیں جن کے قلوب میں اللہ اور اس کے رسول کے مشن کی شمع روشن ہے۔ رحمتیں ہوں ان پروانوں پر جنہوں نے رحمت اللعالمین کی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے روحانی ڈائجسٹ کو ایک گھر سے دوسرے گھر تک پہنچایا۔ مساجد میں، خانقاہوں میں، مجلسوں اور لائبریریوں میں، اپنے اور اپنے احباب کے ڈرائنگ رومز میں اس رسالہ کی نورانی اور روحانی تحریروں کی ضوافشانی سے لوگوں کے دل منور کیئے۔ یہ آپ کی پُر خلوص کوششوں، ایثار اور دل میں اللہ کے دین کی تڑپ کا نتیجہ ہے کہ چند سال کی مختصر مدت میں آپ کو روحانی ڈائجسٹ دنیا کے ہر خطے میں نبی ﷺ اور ان کے جان نشیں اہل اللہ کے "پیغام سعید" کو عام کرنے کا ذریعہ بن گیا ہے۔ مشائخ اور ان علماء حضرات کے ہم سب اراکینِ ادارہ اور قارئین شکر گزار ہیں جو اس کی اشاعت میں کمربستہ ہیں، جو منبرِ رسول اللہ ﷺ پر ان کا تذکرہ کرتے ہیں اور مجالسِ حسنہ میں اس کی تحریریں پڑھ کر یہ بتاتے ہیں کہ انسان کا مقصدِ حیات اپنی رُوح سے واقفیت حاصل کرنا ہے۔

ہم اپنے قارئین کے گراں قدر مشوروں سے ایسے دل چسپ اور فکر انگیز اضافے کرنا چاہتے ہیں جن سے سسکتی ہوئی انسانیت پر یہ بات منکشف ہو جائے کہ قرآن سائنسی فارمولوں کی ایک دستاویز ہے۔ اس کی مقدس آیات میں تفکر کیا جائے تو ہم خلائی تسخیر میں ایک ایسا مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے جہاں سائنسداں کھربوں ڈالر خرچ کر کے بھی نہیں پہنچ سکے ہیں۔

قرآن پاک کے ارشاد کے مطابق تسخیرِ کائنات ہمارا ورثہ ہے جس پر قدغن لگا کر دبیز پردے ڈال دیئے گئے ہیں۔ ہماری برابر کوشش ہے کہ ہم اذہان تیار کر کے بتدریج وہ بات منظر عام پر لے آئیں جو فی الارض "خلیفہ" کی حیثیت سے ہمیں چار دانگ عالم میں نمایاں اور ممتاز کر دے اور اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق زمین و آسمان پر ہمارے حکمرانی قائم ہو جائے۔

آپ سے درخواست ہے کہ بدستورِ سابق نور سے مرکب ان تحریروں کو زیادہ سے زیادہ متعارف کراتے رہیں۔ رسالے پڑے لکھے لوگوں کی خدمت میں پیش کریں۔ کم تعلیم یافتہ بہنوں، بھائیوں اور بزرگوں کو خود پڑھ کر سنائیں۔ مسائل و مشکلات میں اللہ کی مخلوق کی خدمت کریں۔ پریشانیوں، مصیبتوں، الجھنوں اور لاعلاج بیماریوں کے سدِباب کے لئے جہاں میری ضرورت ہو مجھے مطلع کریں۔ انشاءاللہ ہم سب سرخرو ہوں گے کہ ہمارے اوپر اللہ کے کریم اور رحیم نبی ﷺ کا سایہ ہے۔

*****

www.ksars.org

غلام قومیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو قومیں اپنی حالت نہیں بدلنا چاہتیں، اللہ تعالیٰ ان کی حالت میں تبدیلی پیدا نہیں کرتے۔ ہم نے من حیث القوم اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قوانین سے نظر ہٹالی ہے اور اپنے آپ کو عذاب و ثواب کے چکر میں محدود کر لیا ہے۔ اس قدر محدود کر لیا ہے کہ تخلیقی فارمولوں سے ہم بالکل بے بہرہ ہو گئے ہیں۔ قرآن ہمارا ہے، اللہ ہمارا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے زمین، آسمان اور اس کے اندر جو کچھ ہے سب کا سب تمہارے تابع فرمان کر دیا ہے، تمہارے لیے سورج کو مسخر کر دیا ہے، تمہارے لیے چاند کو مسخر کر دیا ہے، تمہارے ستاروں کو مسخر کر دیا ہے، اور ہم ہیں کہ ہم نے کبھی اس تسخیری عمل کو کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ قرآن ہمارا ہے اور قرآن واشگاف الفاظ میں کہتا ہے کہ لوہے میں انسانوں کے لئے بے شمار فائدے محفوظ ہیں۔ ظاہر ہے کہ قرآنِ پاک یہ کہہ رہا ہے کہ یہ فائدے جو اللہ تعالیٰ نے لوہے کے اندر محفوظ کر دیئے ہیں انہیں تلاش کرو اور جب تم ان فائدوں کو تلاش کر لو گے تو ان سے اللہ کی مخلوق کو فائدہ پہنچے گا اور اللہ کی مخلوق میں تمہاری عزت و توقیر ہو گی۔ اللہ کا قانون اپنی جگہ بر حق ہے۔ جن لوگوں نے لوہے کی صلاحیت کو تلاش کیا وہ لوگ قومی اعتبار سے عزت دار ہو گئے اور ہم نے قرآن پاک کی تعلیمات کو نظرانداز کیا، ہم ذلیل و خوار ہو گئے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اپنی جگہ اہم ہیں، فرض ہیں، ضروری ہیں۔ اس لئے کہ ان ارکان کی ادائیگی سے روح کو تقویت ملتی ہے، روحانی صلاحیتیں متحرک اور بیدار ہوتی ہیں۔ لیکن یہاں معاملہ بالکل الٹا اور برعکس ہے کہ یہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ رُوح کی صلاحیتیں ہمارے اندر موجود بھی ہیں یا نہیں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اندر تفکر موجود نہیں ہے۔ ہم عمل تو کرتے ہیں، عمل کی حقیقت کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ جب کوئی بندہ جس کو اللہ تعالیٰ نے علم الیقین کی دولت سے نوازا ہے، قرآن پاک میں تفکر کرتا ہے تو اس کے سامنے قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ آ جاتی ہے اور وہ اس بات کا مشاہدہ کر لیتا ہے کہ قوموں کا عروج و زوال اس بات پر منحصر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فرمائی ہوئی باتوں پر جن قوموں نے تفکر کیا وہ سرفراز ہوئیں اور جن قوموں نے تفکر کو رد کیا، وہ قومیں غلام بن گئیں۔ بڑی ستم ظریفی ہے کہ ہم جب یہ دیکھتے ہیں کہ موجود سائنس کی ترقی میں وہ تمام فارمولے کام کر رہے ہیں جو ہمارے اسلاف نے چھوڑے ہیں اور جو فی الواقع ہمارا ورثہ تھے لیکن چونکہ ہم نے اس ورثے کو کوئی اہمیت نہیں دی، اس لئے دوسرے لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھایا اور ہم ایک پس ماندہ اور بھکاری قوم بن گئے۔

*****

www.ksars.org

عدم تحفظ کا احساس

آیئے اس نشست میں ہم زندگی اور اس کے تقاضوں کی ماہیت پر غور و فکر کرتے ہیں۔ یہ بات ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ زندگی تقاضوں کے دوش پر سفر کر رہی ہے، ہمارے اندر تقاضے پیدا ہوتے ہیں اور ہم ان کی تکمیل کرتے ہیں۔ ہمیں بھوک لگتی ہے تو ہم بھوک رفع کرنے کے لئے غذا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ پیاس لگتی ہے تو فوراً ہمارا رجحان پانی کی طرف ہو جاتا ہے۔ ہم کھانا کھا لیتے ہیں، پانی پی لیتے ہیں۔ یعنی تقاضوں کی تکمیل کر لیتے ہیں۔ اس طرح ہمیں تسکین مل جاتی ہے اور ہم مطمئن ہو جاتے ہیں۔

اگر ہم کسی تقاضے کو نظر انداز کرتے ہیں تو ہمارا ذہن اس میں الجھ کر رہ جاتا ہے اور ہمیں بار بار اس کی عدم تکمیل کی طرف متوجہ کرتا رہتا ہے۔ اس کے نتیجے میں ہم بے چینی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اضطراب اور پریشانی ہمارے اندر دور کرنے لگتی ہے۔ ہم کوئی بھی کام ارتکاز توجہ سے نہیں کر سکتے۔ بار بار ہماری توجہ بھٹک جاتی ہے۔

تمام تقاضوں کا یہی حال ہے۔ اور کھانا پینا، خوش ہونا، محبت کرنا، معاش کا کام کرنا، اولاد کی تعلیم و تربیت کرنا، ایثار و محبت، دوسروں کے کام آنا الغرض زندگی کا ہر عمل کسی نہ کسی تقاضہ کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یہ تقاضے دنیا کے ہر آدمی میں پیدا ہوتے ہیں اور دنیا کا ہر آدمی کسی نہ کسی طرح کبھی نہ کبھی، جلد یا بہ دیر ان تقاضوں کی تکمیل کر کے اطمینان حاصل کرتا ہے۔

جسم کے تقاضوں کی طرح انسان کی رُوح میں بھی تقاضے ہوتے ہیں۔ رُوح کے تقاضے بھی انسانی شعور کو یہ احساس دلاتے ہیں کہ ان تقاضوں کی تکمیل ہونی چاہئے۔ روحانی تقاضے اور ان کی تکمیل جسمانی تقاضوں سے زیادہ اہم اور نتیجہ خیز ہوتی ہے۔ ان کے نتائج جسمانی تقاضوں کے مقابلے میں زیادہ مسلسل اور عظیم الشان ہوتے ہیں اور ان کی تکمیل کے نتیجے میں انسان کو بہت زیادہ سکون، بہت زیادہ طمانیت کا احساس ہوتا ہے یہاں تک وہ کہ ہر فکر کو بھول جاتا ہے۔ ایک سرشاری اور ایک کیف اس کے ذہن کا احاطہ کر لیتا ہے چاروں طرف سے خوشی اور خوشی کے لوازمات اُسے حصار میں لے لیتے ہیں۔ اور کسی غم یا کسی پریشانی کو اس کے پاس بھی بھٹکنے نہیں دیتے۔

ان روحانی تقاضوں میں سب سے اہم اور سب سے زیادہ بنیادی تقاضہ جو ہر انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے وہ انسان کو احساس دلاتا ہے کہ اسے اپنے اللہ سے رابطہ پیدا کرنا چاہئے اور اسے ان خوشیوں اور مسرتوں سے بہرہ مند ہونا چاہئے جو کہ اس رابطہ، اس قربت کا لازمی نتیجہ ہیں۔ انسان کی رُوح اس خوشی اور اس مسرت کے حصول کے لئے بے قرار ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ انسان اس

www.ksars.org

ذہن کو پست پشت ڈال چکا ہے جو اسے ایسے تقاضوں اور ان کی تکمیل کی اہمیت سے آگاہ کرتا ہے۔انسان نے چند روزہ مادی زندگی کے عارضی تقاضوں کو ہی سب کچھ سمجھ لیا ہے۔ جسم فانی ہے اور جسمانی خوشیاں اور غم بھی عارضی ہیں۔یہ سب جسم کی موت کے ساتھ ہی فنا ہو جائیں گے۔روح لافانی ہے۔اس لیے ہر وہ چیز جو روح سے متعلق ہے اپنے اندر لافانیت کا پہلو رکھتی ہے۔روحانی تقاضوں کی تکمیل کے نتیجے میں جو روحانی خوشی حاصل ہوتی ہے وہ ہمیشہ کی مسرت و آرام کی ضامن ہوتی ہے۔

لیکن المیہ یہ ہے، کہ جیسا کہ ہم ابھی کہہ چکے ہیں انسان ان سب باتوں کی اہمیت کو فراموش کر چکا ہے،وہ اپنی روح سے دور ہو چکا ہے اور روحانی تکمیل کی طرف سے لاپرواہو گیا ہے لیکن اس کی رُوح اسے اب بھی ان تقاضوں کی تکمیل کی طرف متوجہ کرتی رہتی ہے۔انسان اسے خواہ کچھ بھی معنی پہنائے،اسے کسی بھی مفہوم میں قبول کرے اس کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔روح کے بار بار خبردار کرنے پر بھی جب ہم اس کی تکمیل نہیں کرتے تو تقاضے کا رد عمل ظاہر ہوتا ہے۔یہ وہی رد عمل ہے جو جسمانی تقاضوں کی عدم تکمیل سے بھی پیدا ہوتا ہے۔

اس رد عمل کی کیفیت مذکورۂ اولیٰ کیفیت سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ کبھی اس کیفیت کو انسان ذہنی انتشار کی صورت میں محسوس کرتا ہے، کبھی بے اطمینانی اور عدم سکون سے تعبیر کرتا ہے، کبھی عدم تحفظ کے احساس کی حیثیت دے دیتا ہے۔ لیکن یہ سب ایک روحانی تقاضے کی عدم تکمیل کے(SIDE EFFECTS)ہیں۔اور وہ تقاضہ یہ ہے کہ انسان کی رُوح چاہتی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے قربت حاصل کرے اور اس طرح اپنے اصل مقام پر جسے وہ ماضی میں رد کر چکا ہے فائز ہو جائے اور اس طرح ہر پریشانی اور غم سے محفوظ اور مامون ہو جائے۔

لہٰذا

ہم سب کے لئے لازم ہے کہ ہم رُوح کے اس تقاضے کی تکمیل

کے لئے عملی اقدام مراقبہ کریں۔اللہ تعالیٰ ہماری رہنمائی فرمائے۔

امین!

*****

www.ksars.org

KSARS
www.ksars.org

روشنی

دوستو، غیب و شہود کے مسافرو، رُوحانیت کے پرستارو۔۔ !

جب پستی اور بلندی کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو یہ بات زیرِ غور آتی ہے کہ پستی کیا ہے اور بلندی کیا ہے۔ قوموں کے عروج و زوال کی داستانیں یہ بتاتی ہیں کہ جن قوموں میں تفکر اور ذہنی کاوشیں بروئے کار آتیں رہیں وہ قومیں بلند ہیں۔ اور جن اقوام کے شعور میں سے تفکر نکل گیا وہ پست اور خوار ہیں۔ پستی اور بلندی کے یہی مناظر دیکھنے کے لئے قدرت نے کچھ ایسے وسائل پیدا کئے کہ میں اپنے پس ماندہ اور ترقی پذیر ملک سے خلائی وسعتوں میں سے گزر کر لندن پہنچا۔ مجھے یقین ہے کہ قدرت یہ چاہتی ہے کہ پستی اور بلندی کی راہوں میں میرا تجربہ بلند ہو۔

میں بنیادی طور پر ایک ایسے عالم و فاضل گھرانے میں پیدا ہوا ہوں جہاں پستی سے مراد صرف یہ ہے کہ آدمی نماز اور روزے سے غافل رہے اور عروج یہی ہے کہ آدم زاد ثواب کی گٹھریاں باندھتا رہے۔ جس دنیا کا اب میں تذکرہ کر رہا ہوں وہاں میں نے عذاب و ثواب کے نام کی کوئی چیز نہیں دیکھی۔ لیکن انہیں اپنی قوم سے زیادہ خوش حال، زیادہ منظم، زیادہ انسان دوست دیکھا۔ عالم یہ ہے کہ وہاں اگر کوئی آدمی بے کار ہے تو اسے اتنا گزارہ الاؤنس ملتا ہے کہ وہ باآسانی دنیا کی تمام آسائشوں کے ساتھ اپنی زندگی گزارتا ہے۔ وہاں کے رہنے والے لوگوں کی رہائشی زندگی کا عالم یہ ہے کہ ترقی پذیر ملک کا کوئی بڑے سے بڑا آدمی اس کا تصور نہیں کر سکتا۔ انہیں دنیا کی ہر وہ چیز دستیاب ہے جو انسانی زندگی میں کسی بھی طرح کام آسکتی ہے۔ علمی ترقی کا حال یہ ہے کہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد نئی نئی ایجادات سامنے آتی رہتی ہیں۔ لیکن وہاں جس چیز کی کمی ہے وہ سکون قلب ہے۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں جو بغیر دواؤں کے سوتے ہیں۔

نقطۂ فکر یہ ہے کہ ترقی پذیر اور پس ماندہ قوم بھی سکونِ قلب سے ناآشنا ہے۔ باوجود یہ کہ اربوں، کھربوں، سنکھوں نیکیوں کے انبار ان کے پاس موجود ہیں۔ لیکن وہ روشنی میسر نہیں ہے جو روشنی مسرت و شادمانی بن کر لہر کی طرح خون میں دوڑتی ہے۔ جس بندے کے پاس نیکیوں کا جتنا بڑا ذخیرہ موجود ہوتا ہے، دیکھا یہ گیا ہے کہ وہ سکون سے اتنا ہی دور ہے۔ ایک خشکی ہے جو آکاس بیل کی طرح وجود کو چمٹ گئی ہے۔ قنوطیت ہے کہ جس نے ہشت پا کی طرح ہمیں دبوچ رکھا ہے۔ نیکی کے متوالوں کو یہاں بھی دیکھا اور وہاں بھی دیکھا۔ وہاں کی حالت یہاں سے زیادہ دگرگوں ہے۔ فرقہ پرستی کی لعنت اتنی زیادہ ہے کہ شراب میں مدہوش پولیس جوتوں سمیت کتوں کو ساتھ لیکر مسجد میں داخل ہوتی ہے۔ اور مسجد کو سیل بند کر دیتی ہے۔ ہر شخص کا اسرار یہ ہے کہ میں نیک ہوں ، دوسرے فرقہ کے لوگ قابلِ گردن زدنی ہیں۔ یہ حال پس ماندہ قوم کا ہے۔

www.ksars.org

ان قوموں کا حال جو ترقی کے بلند بانگ دعوؤں کے ساتھ خود کو سُپیر ئر سمجھتی ہیں اس سے کچھ مختلف نہیں۔ یہ وہ قوم ہے جس نے ذاتی اور مالی منفعت کے لئے خوبصورت دنیا کو بدہیت بنا دیا ہے۔ جگمگ کرتے ستاروں کی سُہانی راتوں کو دھندلا دیا ہے۔ پر خمار سحر انگیز نسیم صبح میں ایٹمی ایندھن کا زہر گھول دیا۔ یہ وہ عروج یافتہ قوم ہے جس نے پھولوں کی مسکراہٹ چھین لی۔ اب پرندوں کی رُوح پرور چہچہاہٹ ایک نغمہ دل سوز بن کر رہ گئی ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی نے انسان کو عدم تحفظ کے عمیق غار میں دھکیل دیا ہے۔ عدم تحفظ کی حالت میں سسکتی ہوئی چاندنی کا حسن اور دھوپ کی خوبصورتی ماند پڑ گئی ہے۔ یہ کون نہیں جانتا کہ ایٹمی تجربات، ڈیزل اور پٹرول کے بخارات، جیٹ طیاروں کے آتشی فضلات نے فضا کو کچھ اس طرح زہر آلود کر دیا ہے کہ انسان کے اندر جانے والا ہر سانس زہرناک بن گیا اور اس زہرناکی نے انسان کو زیروزبر کر دیا ہے۔ اعصاب ٹوٹ گئے ہیں ذہن بکھر گیا ہے۔ دل ہے کہ ہر لمحہ ڈوب جانے کو بضد ہے۔ ترقی کے پُر فریب پردوں میں سسکتی، تڑپتی اور روتی ہوئی قوم نے عافیت اسی میں سمجھی کہ عدم تحفظ کے خوفناک عفریت سے فرار اختیار کیا جائے لیکن اس فرار میں بھی انہیں لالچی اور خود غرض جینیئس ذہن نے شکار کی طرح دبوچ لیا۔ اور اس عہد کے ترقی یافتہ انسان نے عدم تحفظ کے احساس سے فرار حاصل کرنے کے لئے ہیروئن، ایل ایس ڈی، راکٹ، چرس، مینڈرکس جیسی چیزیں ایجاد کر لیں اور عام آدمی ایک الجھن سے نکلنے کے لئے دوسری ہزاروں الجھنوں میں مبتلا ہو گیا۔

اس ساری گفتگو کا لب لباب یہ ہے کہ جب تک نوع انسانی کے افراد میں کاروباری ذہن کام کرتا رہے گا اسے کبھی سکون میسر نہیں آئے گا۔ ترقی یافتہ قوم اس لئے عذاب میں مبتلا ہے کہ ترقی کے پیچھے اس کا اپنا کوئی ذاتی فائدہ ہے۔ ہر ترقی سونے کا ڈھیر جمع کرنے کا ذریعہ ہے۔ غیر ترقی یافتہ قومیں اس لئے پریشان ہیں ان کا کوئی بھی عمل کاروباری تقاضوں سے باہر نہیں ہے۔ وہ اللہ کو بھی اس لئے یاد کرتے ہیں کہ ان کے پیش نظر ان کی ذات کے لئے منفعت ہے جب کہ اللہ کے لئے یہ طرز فکر ناپسندیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''جو لوگ میری آیتوں کا کاروبار کرتے ہیں ان کے پیٹ دوزخ کے انگاروں سے بھر دوں گا۔''

ظاہر ہے پیٹ کے اندر دھکتے ہوئے انگارے ایک کھلا عذاب ہے اور یہی عذاب روپ دھار کر کبھی اضطراب بن جاتا ہے، کبھی بے چینی کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور کبھی عدم تحفظ کا احساس بن کر لمحہ بہ لمحہ ہمیں خوف کی دنیا میں لیجاتا ہے اور ہمارے اوپر موت کی میٹھی نیند طاری کر دیتا ہے۔

*****

www.ksars.org

محبت کے گیت

کہا جاتا ہے کہ یہ دنیا بار بار یا زیادہ صحیح اندازوں کے مطابق سولہ مرتبہ تباہ ہو کر دوبارہ آباد ہوئی ہے____خوبصورت، رنگین، باغ و بہار سے مزین، پرکشش برفانی کہساروں، موتی کی طرح چمکتے دمکتے آبشاروں، آفتاب کی شعاعوں اور چاند کی کرنوں کا مسکن یہ دنیا____اب پھر چالیس ہزار ایٹم بموں کی زد میں موت کے دہانے پر کھڑی ہانپ رہی ہے۔ زمین کے اندر بہنے والے چشمے، انسان کو ترقی کا راستہ بتانے والی معدنیات، نظامِ کشش ثقل باحسرت و یاس اپنے بیٹوں کے ہاتھوں اپنی ہلاکت کی منتظر ہے۔ جس زمین نے ہمیں پروان چڑھایا ہے آج وہ زمین، وہ دنیا ایک مجسم سوال بن گئی کہ آدم زاد کس قصور، کس جرم اور کس پاداش میں زمین کی تباہی کے درپے ہے۔ آدم زاد کو اس کی جنم بھومی نے کیا کچھ نہیں دیا ہے۔ انگوٹھا چوستے بچے کی جوانی اور جوانی کی لذت اندوز کیفیات اور ان مسرور کن کیفیات کے نتیجے میں دنیا کی رونق کیا زمین کا احسان نہیں ہے؟ یہ کیسی احسان فراموشی ہے کہ بچے اپنی ماں کی گود اجاڑ کرنے اور برباد کرنے پر مصر ہے!

خالقِ کائنات نے اس دنیا کو محبت، خوشی، مسرت و شادمانی اور ایثار کا گہوارا بنایا تھا_____اور آج بھی دنیا کی ہر شئے دیدہ بینا کو مسرت اور خوشی مہیا کرتی ہے۔ خوبصورت خوبصورت رنگ بہ رنگ چڑیاں، فطرت کے شاہد مناظر، پانی کا اتار چڑھاؤ، پہاڑوں کی بلندی، آسمان کی رفعت، پھولوں کا حسن، درختوں کی قطاریں، تاروں بھری رات، روشن روشن دن، ماں کی آنکھوں میں محبت کی چمک، بچے کا مچلنا اور کلکاری بھرنا، بہن کی پاکیزگی، بھائی کا اخلاص، بیٹی کا تقدس، باپ کی شفقت یہ سب بلاشبہ نوعِ انسان کے لئے خوشی اور شادمانی کا سامان ہیں۔ ایک ماں کی طرح زمین بھی یہی چاہتی ہے کہ اس کی اولاد پر مسرت زندگی گزارے، زمین کو دوزخ نہ بناڈالے۔ اس کے اوپر پھولوں کے بجائے انگاروں کی کاشت نہ کی جائے۔

ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرنے والی ذات، اللہ کیا ہے؟___اللہ محبت ہے، اللہ خوشی ہے۔ اللہ نے کائنات کو صرف تخلیق ہی نہیں کیا۔ کائنات کو قائم رکھنے اور مسرت و شادمانی کو دوام بخشنے کے لیے آدم کو تخلیق کیا اور ذیلی تخلیق کی ذمہ داری عورت کے نازک کندھوں پر رکھ دی، عورت کے دل میں اس کی ہر ہر روئیں میں اپنی وہ محبت انڈیل دی جو اللہ کی اپنی صفت ہے۔ خالقِ کائنات اللہ نے عورت کو تخلیق کا میڈیم بنا کر اس کے اندر تخلیقی صلاحیت کے ساتھ ساتھ ستر میں سے ایک حصہ اپنی محبت منتقل کر دی تاکہ عورت ماں بن کر اللہ کی تخلیق کو قائم رکھے اور اس باغ کی آبیاری کو قائم کرتی رہے جس کو پر بہار دیکھنا اللہ کے لئے سب سے بڑی خوشی ہے۔

www.ksars.org

میری بہنو، میری ماؤں، میری بیٹیو !

یہ دنیا آپ کے دم سے پُر رونق اور آباد ہے۔ آپ کی عظمت اس سے ظاہر ہے کہ نظامِ تخلیق آپ کے وجود سے قائم ہے۔ آپ ہر اس ہستی کی تخلیق کا باعث ہیں جس جس نے اللہ کے قانون کو سامنے رکھ کر اس زمین کو غم و آلام سے نجات دلانے کی کوشش کی ہے۔ ان میں عظیم مفکر بھی ہیں، انبیاء اکرام اور ان کے دوست اولیاء اللہ بھی ہیں۔

عورت کی فضیلت کا عالم یہ ہے کہ ماں کی آغوشِ راحت میں اللہ کے محبوب خاتم النبیین ﷺ نے تربیت پائی اور وہ ماں ہی ہے جس کے دودھ سے آپ ﷺ کا شعور پروان چڑھا اور اس شعور سے اللہ کے احکامات کو نوعِ انسانی تک پہنچایا۔ یہ کون نہیں جانتا کہ ہر مصلح قوم کی وریدوں میں ماں کا خون دوڑ رہا ہے۔

یہ کیسی المناکی ہے کہ ________

سائنس کی پُر فریب ترقی کے پردے میں آپ کے نونہالوں کو چھیننے کے منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔ سائنسدانوں کا ایک کرتا دھرتا طبقہ چاہتا ہے کہ مسرت کا قلعہ کھنڈر بن جائے۔ محبت کے سوتے خشک ہو جائیں۔ اخلاقی، معاشرتی پابندیاں جو انسان کی بلندی کا باعث ہیں، ان کی تمام دیواریں منہدم ہو جائیں۔

چند مفاد پرست سرمایہ داروں نے انسانی عروج اور فہم و فراست کی تابانیوں کو اپنی تجوریاں بھرنے کا ذریعہ بنالیا ہے۔ بلاشبہ دل کی پیوندکاری میڈیکل سائنس کا ایک بڑا کارنامہ ہے لیکن دل کے ایک آپریشن پر تقریباً دو لاکھ روپیہ خرچ آتا ہے۔ عوام کا وہ کونسا طبقہ ہے جو اتنا زرِ کثیر خرچ کر کے ایک بیمار دل کے لئے زندگی طلب کر سکتا ہے۔ آپ نے دودھ پلا کر اپنے جگر گوشوں میں جو صلاحیت پیدا کی تھی وہ اب کاروبار بن گئی ہے۔ سونے چاندی کے سکوں کی قیمت بڑھ گئی ہے اور انسان کی قیمت گھٹ گئی ہے۔

اے میری ماؤں، میری بیٹیو، اللہ کی تخلیق میں رنگ بھرنے والی عورتو !

اب آپ کے اوپر دوہری ذمہ داری آگئی ہے۔ قانونِ قدرت آپ کو اپنی بادشاہی میں شریک کرنا چاہتا ہے۔ آپ اپنے بچوں کی گھٹی میں یہ بات ڈال دیں کہ دنیا قائم رہنے کے لئے بنی ہے۔ دنیا خوشی اور ساز و آواز کا گہوارہ ہے۔ آپ اپنے نونہالوں میں یہ طرزِ فکر مستحکم کر دیں کہ اللہ سراپا محبت ہے۔ اور چاہتا ہے کہ دنیا میں محبت کے گیت گائے جائیں۔ اگر ہماری مائیں، ہماری بہنیں، ہماری بیٹیاں اپنی اولاد میں اللہ اور اس کے رسول کی بتائی ہوئی خلوص، محبت اور ایثار کی طرزِ فکر منتقل کر دیں تو دنیا پر چھائے ہوئے خوف و ہراس کے بادل چھٹ جائیں گے۔ معاشرہ سدھر جائے گا۔ دولت کو سب کچھ سمجھنے والے لوگوں کی ذہانت زنگ آلود ہو جائے گی

www.ksars.org

اور نوعِ انسانی پھر سے منزل کی طرف گامزن ہو کر اس دنیا کا سراغ پائے گی، جو مسرت ہے، خوشی ہے، انبساط ہے اور محبت ہے۔

KSARS
www.ksars.org

شاہکار تصویر

فرض کیجئے کہ:

آپ ایک مصور ہیں اور تصویر کشی سے متعلق اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ ایک تصویر بناتے ہیں۔ یہ تصویر آپ کی زندگی کے ماہ وسال اور شب وروز کا حاصل شاہکار ہے۔ تصویر پوری ہونے کے بعد آپ جب اسے دیکھتے ہیں تو آپ خود اس کے اُوپر فریفتہ ہو جاتے ہیں۔ آپ یہ بھی چاہتے ہیں دوسرا کوئی شخص جب اس تصویر کو دیکھے تو اس کی تعریف کرے۔

آپ نے ایسی زندہ جاوید تصاویر دیکھی ہونگی کہ جن کو دیکھ کر یہ گمان ہوتا ہے تصویر ابھی اپنے کاغذی پیرہن سے نکل کر ہم کلام ہو جائے گی۔

یہ بات کچھ زیادہ پرانی نہیں ہے۔ بارہ سال کا عرصہ گزرا ہوگا کہ میں خالی الذہن تھا یکسوئی اس مقام پر تھی جہاں آدمی کسی ایک نقطہ پر مرکزیت حاصل کر کے ماحول سے بے خبر ہو جاتا ہے۔

اخبار میں چار رنگوں سے چھپی ہوئی بہت خوبصورت تصویر کے خدوخال شعور کی سیڑھیاں پھلانگ کر جب لاشعور کے کمپیوٹر (COMPUTER) میں داخل ہوئے تو خیال نے کروٹ لی۔ جیسے ہی خیال نے کروٹ بدلی، ارادہ متحرک ہو گیا اور ارادے نے چاہا کہ کاغذی پیراہن پر بنی ہوئی تصویر کے نقش و نگار ______ غزالی آنکھیں گلاب کی پنکھڑیاں جیسے ہونٹ، کتابی چہرہ، چہرہ پر شفق رنگ گلدستہ کی طرح ناک اور سر جیسا سراپا جس آدمی کے ذہن سے اس کاغذ پر منتقل ہوا ہے اس آدمی کے اندر قدرت نے تخلیقی صلاحیتیں ودیعت کی ہیں۔

اس سوچ نے میرے اندر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ تخلیقی صلاحیتوں کو متحرک کر دیا۔ اور تصویر کاغذ کے اندر سے نکل کر میرے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

اور پھر جس طرح کاغذی بساط سے اتری تھی اسی طرح اپنے پیروں سے چل کر کاغذ کے اندر جذب ہو گئی۔

www.ksars.org

اس حقیقت سے یہ بات منکشف ہوتی ہے کہ کاغذ کے اوپر تصویری خدوخال، نقش و نگار، حسن، کشش، جذب، گداز، شگفتگی سب جاندار ہیں۔اور جب تخلیقی اختیارات ایک نقطہ پر مرکوز ہو کر ایک ارادہ بن جاتے ہیں تو یہ نقش و نگار شکل وصورت اختیار کر کے ایک جسم بن جاتے ہیں۔

تصویر بنانے والا فن کار جب کوئی اپنا شاہکار تخلیق کرتا ہے تو دراصل اس کی رُوح کے اندر موجود تخلیقی فارمولے (EQUATION) متحرک ہو کر مظہر بن جاتے ہیں۔یہ تصویر کشی ایک ایسے فن کار نے کی ہے جو خود تخلیق ہے۔اللہ تعالی بھی ایک مصور ہیں ۔وہ بھی ایسی تصویر کشی کرتا ہے کہ خود اپنی شان میں قصیدہ کہتا ہے ۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:
"اللہ وہ ہے جس نے ماں کے پیٹ میں تصویر بنائی اور سبحان اللہ کیا تصویر بنائی۔"(قرآن)

اگر مصور سے یہ کہا جائے کہ وہ تصویر کے پرزے اڑا دے۔ تصویر کے خدوخال کو مسخ کر دے یا جس کینوس (CANAVAS) یا جس کاغذ پر تصویر بنائی ہے اس کو پھاڑ دے، مصور کے لئے اس سے بڑی رنج اور تکلیف کی کوئی بات نہیں ہوگی اور وہ کبھی اپنی شاہکار تصویر کو خراب نہیں ہونے دے گا اور نہ اس کا خراب ہونا، اس کا مسخ ہونا اُسے پسند آئے گا۔

اللہ نے ایک تصویر بنائی، ایسی خوبصورت تصویر جو اپنے توازن، اعتدال، معین مقداروں، رنگ وروپ، جذب وکشش اور حسن کے معیار میں منفرد ہے یکتا ہے، بے مثال ہے۔یہ تصویر دیکھتی بھی ہے، سنتی بھی ہے، بولتی بھی ہے، محسوس بھی کرتی ہے اور دوسروں کا دکھ درد بھی بانٹتی ہے۔اگر کوئی بندہ اس تصویر کو داغ داغ کرنا چاہے اور اپنے ظلم و جہالت سے تصویر کو خراب کردے تو یقیناً یہ بات سب سے بڑے مصور اللہ کے لئے نہایت ناپسندیدہ عمل ہے۔

تمام آسمانی کتابوں میں یہ بات واضح طور پر بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالی حقوق العباد معاف نہیں کرتے۔جب ہم حقوق العباد کا تذکرہ کرتے ہیں تو پہلے خود بندے پر اپنا حق عائد ہوتا ہے اس لئے کہ بندہ پہلے خود بندہ ہے۔

موجودہ ترقی یافتہ دور میں جس کو آسمانی علوم کے مطابق بلاشبہ عدم وتحفظ، بے سکونی، انتشار اور پیچیدہ مسائل کا تنزل یافتہ دور کہا جا سکتا ہے، ہر آدمی سونے کے سکوں کا ذخیرہ کرنے کے لئے اپنی حق تلفی کر رہا ہے، اپنے جسم و جان کو تباہ کر رہا ہے۔ جیسے جیسے بندے کے اندر دنیا کا لالچ اور ہوسِ زر بڑھ رہی ہے اور اسی مناسبت سے اس کے اندر سے سکون، راحت اور اطمینانِ قلب ختم ہو رہا ہے۔سکون اور اطمینانِ قلب سے محرومی، دماغی کشمکش، ذہنی کشاکش اور اعصابی تناؤ کا پیش خیمہ ہے۔اعصابی تناؤ آدمی کے اندر ڈر اور خوف مسلط کر دیتا ہے۔زندگی میں غم اور خوف کی آمیزش آدمی کی تصویر کو بدصورت، بدمست اور مسخ کرتی رہتی ہے۔

ہائے، یہ کیسی نادانی ہے کہ آدم زاد ہوسِ زر میں اللہ کی بنائی ہوئی من موہنی خوبصورت تصویر کو خراب کر رہا ہے، ضائع کر رہا ہے، تباہ کر رہا ہے۔سونے چاندی کے سکے اللہ تعالی نے اس لئے نہیں بنائے کہ یہ سکے آدمی کی زندگی کو دیمک بن کر

www.ksars.org

چپاٹ جائیں۔ سونے چاندی کے سکوں کا مصرف یہ ہے کہ آدمی ان سے استفادہ کر کے اللہ کی بنائی ہوئی تصویر کے لئے زیب وزینت کا سامان مہیا کرے۔ لیکن موجودہ دور کا المیہ یہ ہے کہ آدمی یہ ثابت کرنے پر بضد ہے کہ سونے چاندی کے سکے آدم کے لئے نہیں بلکہ آدمی سونے چاندی کے سکوں کی بھینٹ چڑھنے کے لئے پیدا ہوا ہے۔ یہی وہ طرز فکر ہے جس کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

''اور وہ لوگ جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ کے لئے خرچ نہیں کرتے ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔''

یہ کیا کم عذاب ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ آدمی سینکڑوں سال زندہ رہ کر دنیا کی رنگینی میں اپنا کردار ادا کرے اور آدمی کام، کام، صبح کام، شام کام اور ہائے دنیا، ہائے دنیا کے ختم نہ ہونے کے چکر میں خود اپنے ارادہ اور اختیار سے زندگی کو مختصر ترین کرنے پر تلا ہوا ہے جبکہ آدم و حوا کی اولاد یہ جانتی ہے کہ زندگی کو ایندھن بنا کر جمع کی جانے والی ساری پونجی ایک دن موت ہم سے چھین لے گی۔

www.ksars.org

تین دوست

لُو کے تھپیڑوں سے بچنے کے لئے کھڑکیوں اور دروازوں پر دبیز پردے ڈال کر کمرے میں اندھیرا کیا تو سکون ملا۔اور جب اس اندھیرے میں پنکھے کے پروں کوار تعاش ملاتو ٹھنڈک کااحساس ہوااور خمار کی کیفیت طاری ہو گئی۔کمرے میں ہم چار دوست موجود تھے ایک صاحب صوفہ سے ٹیک لگائے نیم دراز تھے۔دوسرے صاحب گوتم بُدھ کی نشست میں کمر سیدھی کئے ہوئے نہ جانے خلا کے اس پار کہاں گم تھے۔ تیسرے صاحب کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھے اور کمرے میں موجود چوتھے صاحب کی ہیبت کذائی یہ تھی کہ جسم پر سوائے لنگی کے کچھ نہ تھا۔سماں ایسا تھا کہ جیسے کمرے کا ماحول ایک نقطے پر ٹھہر گیا ہو۔گو کہ چاروں حضرات نشست اور سوچ کے اعتبار سے الگ الگ اپنے اپنے خیال میں مگن تھے مگر سب میں ایک چیز مشترک تھی اور وہ مشترک چیز یہ تھی کہ ان کی آنکھوں میں تفکر کے دیئے جل بجھ رہے تھے۔چاروں میں سے ایک نے گفتگو کا سلسلہ شروع کیا۔

دوستو! دوست کی تعریف کیا ہے اور سب سے بہتر دوست کون ہے؟

وہ صاحب جو گوتم بُدھ کی نشست میں خلا میں گھور رہے تھے،اس سوال سے چونک پڑے اور انہوں نے کہا۔"سب سے بہترین دوست انسان کا اپنا من ہے۔" جس نے من کو سمجھ لیا من کے اندر اپنی مورتی کو دیکھ لیا،وہ دوست سے واقف ہو گیا یعنی وہ خود اپنا دوست بن گیا۔"

تیسرے صاحب نے جو مطالعہ میں مصروف تھے،کتاب کے اوپر سے نظر ہٹا کر پوچھا۔"کسی کے لئے خود اپنا دوست بننا کیسے ممکن ہے؟"

صوفے پر بیٹھے ہوئے صاحب بھی اس گفتگو میں شریک ہو گئے اور یوں گویا ہوئے "خود اپنا دوست بننا اس طرح ممکن ہے کہ خود آدمی اپنے من سے واقف ہو جائے۔جب تک ہم زندگی کو محض جسمانی تقاضے پورا کرنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں من اور رُوح سے دور رہتے ہیں۔اور جب ہم جسمانی تقاضوں کی سطح سے بلند ہو کر سوچتے ہیں تو ہمارے اوپر رُوح اور رُوح کی حقیقتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔"

موضوع اتنا گمبھیر تھا کہ نقش و نگار سے آراستہ اندھیرے اور ٹھنڈے کمرے میں موجود چاروں حضرات اپنی پوری علمی توانائیوں کے ساتھ اس مسئلے کی طرف متوجہ ہو گئے۔سوال یہ اٹھا کہ من اور رُوح اور جسم میں کیا فرق ہے۔اگر جسم نہ ہو تو روح کے تقاضے کیا معنی رکھتے ہیں۔اور اگر رُوح نہ ہو تو جسم کی حیثیت صفر رہ جاتی ہے۔یہ کہنا کہ من اور روح کا رشتہ حقیقی رشتہ ہے اور جسم کا رشتہ فانی اور غیر حقیقی رشتہ ہے کس طرح تسلیم کیا جاسکتا ہے کیوں کہ ہم پہلے جسم کو جانتے ہیں،پھر روح سے واقف ہوتے ہیں اور رو

www.ksars.org
KSARS

ح سے جس قدر واقف ہے اس کی حیثیت محض علمی ہے، مشاہداتی نہیں ہے۔ جب کہ جسم کی حیثیت علمی بھی ہے اور مشاہداتی بھی۔

لنگی پوش بہت دور کی کوڑی لائے ذرا بلند اور گرج دار آواز میں بولے "جسمانی وجود کا انحصار رُوح پر ہے رُوح کا انحصار جسمانی وجود پر نہیں ہے اور اس کی مثال یہ ہے کہ رُوح کے بغیر آدمی کی حیثیت ایک لاش کے علاوہ کچھ نہیں۔ جب تک رُوح گوشت پوست کے وجود سے تعلق قائم رکھتی ہے، گوشت پوست کے وجود میں حرکت موجود رہتی ہے، یہ گوشت پوست کا وجود دیکھتا بھی ہے، سنتا بھی ہے، چھوتا بھی ہے، بولتا بھی ہے، تپش اور ٹھنڈک کی لہروں کو محسوس بھی کرتا ہے لیکن اگر رُوح اس گوشت پوست کے وجود سے اپنا رشتہ توڑ لیتی ہے تو یہ جسمانی وجود نہ سنتا ہے، نہ بولتا ہے، نہ محسوس کرتا ہے۔ روح کی موجودگی میں جسم کے کسی عضو پر سوئی کی نوک رکھ دی جائے تو آدمی چبھن محسوس کرتا ہے اور رُوح کی عدم موجودگی میں کسی بڑے دھار دار ہتھیار کی مدد سے جسم کا ایک ایک عضو کاٹ دیا جائے، الگ کر دیا جائے تو وجود کچھ بھی محسوس نہیں کرتا اور نہ اس کے اندر قوت مدافعت ہوتی ہے۔ زندگی کے اس عمل سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ انسان کی اصل رُوح ہے، گوشت پوست کا وجود نہیں ہے۔ اگر کوئی بندہ اپنے من، اپنی رُوح سے واقف ہے تو وہ اپنا دوست ہے اور اسکے بر عکس اگر کوئی بندہ صرف اپنے گوشت پوست کے وجود کو سب کچھ سمجھتا ہے تو وہ اپنا دشمن ہے۔ جس شخص کے اندر رُوحانی زندگی کا کوئی تصور موجود نہ ہو من اس کا دشمن ہے۔ اگر کوئی بندہ من سے کوئی کثیف کام لینا چاہتا ہے تو من اس کی خدمت کرنے سے انکار نہیں کرتا۔ وہ اُسے مادیّت اور ٹائم اسپیس کے جال میں جکڑ دیتا ہے اور اگر کوئی بندہ من سے رُوح کا سراغ چاہتا ہے تو من اُسے ایک اچھے اور مخلص دوست کی طرح روحانی رشتوں سے متعارف کرا دیتا ہے اور من اُسے نہ صرف بتا دیتا ہے بلکہ دکھا بھی دیتا ہے کہ رُوح پاک ہے، جسم کثیف ہے۔ اس کے اُوپر یہ بات بھی منکشف ہو جاتی ہے کہ جسم کی ساری خوشیاں جسم کی طرح عارضی ہیں اور رُوح چوں کہ خود مستقل خوشی ہے، اس لئے روحانی لوگ خوش رہتے ہیں۔ خوف اور غم کے سائے ان سے دور بھاگ جاتے ہیں۔ یہ مادی دنیا اور گوشت پوست کے جسم کی دُنیا دوئی کی دنیا ہے۔ ابھی ہم سکھی ہیں اور ابھی ہم دکھی ہیں۔ جو بات ہمارے لئے عزت کا باعث ہے وہی بات لمحہ بھر بعد ہمارے لئے بے عزتی بن جاتی ہے۔ دوئی کی اس مادی دنیا میں کسی چیز کو سمجھنا اسی وقت ممکن ہے جب ہم سُکھ، دکھ، عزت، بے عزتی، سردی اور گرمی کے تضاد کو سمجھ لیں۔ جب تک مجھے یہ علم نہیں ذلت کیا ہے عزت کا مفہوم میرے ذہن میں نہیں آتا۔ جب تک میں مصیبت کی چکی کے دو پٹوں میں نہیں پستا، میں خوشی کو نہیں سمجھتا۔ اس تضاد سے گزرنے کے لئے مادی دنیا کی دوئی سے خود کو آزاد کرنا ہو گا۔ جب کوئی شخص مادی دنیا کی اِس دوئی سے گزر کر خود شناسی کے علم کا طالب بن جاتا ہے تو وہ ہر چیز کو ایک ہی نظر سے دیکھتا ہے خواہ وہ کنکر ہوں، پتھر ہوں یا سونا ہو۔ اور جب تک کوئی بندہ خود شناسی کے علم سے ناواقف رہ جاتا ہے اس کا من بے چین اور بے قرار رہتا ہے۔ من کی بے چینی اور بے قراری دور کرنے کے لئے ایک مخصوص طرز فکر کو اپنانا ضروری ہے اور یہ طرز فکر آزاد طرز فکر ہے۔"

www.ksars.org

لنگی پوش نے کہا کہ یہ آزاد طرزِ فکر دراصل قلندر شعور ہے۔ من سے دوستی کا رشتہ مستحکم کرنے کے لئے قلندر شعور ہمیں راستہ دکھاتا ہے اور وہ راستہ یہ ہے کہ یہاں ہمارا نہ کوئی دشمن ہے نہ کوئی دوست ہے۔ ہم خود ہی اپنے دوست ہیں، خود ہی اپنے دشمن ہے۔ قلندر شعور جب حرکت میں آجاتا ہے تو بندہ یہ دیکھتا ہے کہ ساری کائنات ایک اسٹیج ڈرامہ ہے۔اس اسٹیج پر کوئی باپ ہے، کوئی ماں ہے، کوئی بچہ ہے، کوئی دوست ہے، کوئی دشمن ہے کوئی گنہگار ہے، کوئی پاکباز ہے۔ دراصل یہ اسٹیج پر کام کرنے والے کرداروں کے مختلف روپ ہیں۔جب ایک کردار یا سب کردار اسٹیج سے اتر جاتے ہیں تو سب ایک ہو جاتے ہیں اور ان کے اوپر سے دنیا کی دوئی کا طلسم ٹوٹ جاتا ہے۔

www.ksars.org

نورانی چہرے

قلندر شعور بیدار ہوا تو۔۔۔

عالم غیب و شہود میں ایک دانائے راز سے ملاقات ہوئی گو کہ یہ دانائے راز گوشت پوست اور ہڈیوں کے پنجرے پر گوشت پوست کے تانے بانے سے مرکب نہیں تھا لیکن اس ماورائی جسم میں ٹھوس نظر آیا اور گوشت پوست کے ہاتھوں نے جب اس کے گوشت پوست سے آزاد ماورائی ہاتھوں سے مصافحہ کیا تو لمس میں کوئی خاص تبدیلی محسوس نہیں ہوئی۔ ماورائی ٹھوس جسم سے جب ذہنی ہم آہنگی ہوئی تو شعور اس دانائے راز ہستی سے مانوس ہو گیا۔

سوال کیا: اللہ تعالیٰ کون ہیں، کیسے ہیں اور کیا کرتے ہیں، کہاں رہتے ہیں؟

دانائے راز کی نیم کھلی، مخمور آنکھوں پر پلکوں میں حرکت پیدا ہوئی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ۔ چہرے پر عرفان و آگہی کا تاثر گہرہ ہو گیا۔ میرے سوال کے جواب میں اس مردِ آگاہ نے سوال کیا۔ ''اللہ وہ ہے جس نے آسمان کو بلند کرنے کے بعد ان میں توازن قائم کیا۔'' سوال یہ ہے کہ کیا تم خود کو جانتے ہو؟"

ظاہر ہے کہ اس سوال کا جواب میرے پاس نہ تھا۔

دانائے راز ہستی نے کہا۔ ''آسمانی رفعتوں سے زمین کی طرف دیکھو۔۔۔!"

میں نے دیکھا کہ زمین میں ایک ننھا سا بیج ڈالا گیا ہے۔ زمین نے مامتا کے جذبات سے بے تاب ہو کر اس بیج کو اپنے پیٹ میں محفوظ کر لیا اور اپنی تخلیقی صلاحیتیں اس بیج میں منتقل کر دیں۔ دیکھا کہ زمین میں سے ایک ننھا سا پودا پھوٹا اور یوں کہیں کہ بیج کے دو پرت نہایت نرم و نازک دو پتے بن کر نمودار ہوئے۔ جڑ اس قدر کمزور ہے کہ براہِ راست زمین سے غذا حاصل نہیں کر سکتی۔ یہ ننھا سا پودا بیج سے نکلے ہوئے دو پتوں سے اپنی غذا حاصل کر رہا ہے۔ رفتہ رفتہ جڑ ذرا مضبوط ہوئی اور اس کے اندر اتنی صلاحیت پیدا ہو گئی کہ وہ براہِ راست زمین سے غذا حاصل کر سکے۔ جیسے ہی یہ صلاحیت بیدار ہو گئی بیج کے دونوں پرت جھڑ گئے۔ اب پودے نے براہ راست زمین سے غذا حاصل کرنی شروع کر دی شب و روز اور ماہ و سال کے اس عمل نے اس ننھی سی جڑ کو ایک تناور درخت بنا دیا ایسا درخت جو زمین سے غذا حاصل کرتا ہے اور فضا سے بھی روشنیوں کے ذریعے اپنے وجود کو بے قرار رکھتا ہے۔

آدم زاد جب ماں کے پیٹ میں منتقل ہوا تو اس کی پیدائش میں بھی یہی تخلیقی عوامل نظر آئے۔ ماں کے پیٹ میں آدم زاد کے لئے گیہوں کی روٹی تھی اور نہ کسی قسم کا پھل تھا اور نہ ہی وہاں باورچی خانے کا کوئی انتظام تھا۔ آلاتِ ہضم اتنے کمزور اور نحیف تھے کہ

www.ksars.org

آدم زاد ان غذاؤں کا متحمل ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ ماں کے اندر تخلیقی صلاحیت نے ماں کے سینے کو دودھ جیسی صاف، زود ہضم اور لطیف غذا سے بھر دیا اور جب بچہ نمودار ہوا تو دودھ کے دو چشمے ابل پڑے اور جب اس چشمے کی ضرورت باقی نہیں رہی تو یہ چشمے سوکھ گئے۔

یہ ایک ایسا نظام ہے جو ازل سے جاری ہے اور ابد تک قائم رہے گا۔

مرد دانائے راز نے اپنی مخمور اور غزالی آنکھیں میرے اوپر مرکوز کر دیں۔ مجھے نظر آیا کہ اس کی آنکھوں کے اندر سے لہریں نکل کر میرے دماغ میں جذب ہو رہی ہیں۔ جب جذب ہوتی ہوئی لہروں کے ذخیرے سے دماغ معمور (OVERFLOW) ہو گیا تو یہ لہریں باہر نکلنے لگیں۔ یہ لہریں ایک سیال چیز نظر آئیں۔ تفکر کرنے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ یہ لہریں پانی ہیں۔ دانائے راز نے سیدھے ہاتھ کی انگشت شہادت دونوں نتھنے کے بیچ میں ناک کی جڑ پر رکھی۔ یہ دیکھ کر حیرت کی انتہاء نہیں رہی موجودات میں ہر چیز کی بنا (BASE) پانی ہے۔ جو ایک پائپ کے ذریعے صعود اور نزول میں رواں دواں ہے۔ ماں کے پیٹ میں یہی پانی شکل بدل کر ایک پائپ کے ذریعے بچے کی غذا بنتا ہے۔ پھر یہی پانی دودھ بن جاتا ہے، آم کے درخت میں آم، بیر کے درخت میں بیر، سیب کے درخت میں سیب اور کیلے کے درخت میں کیلا بنتا رہتا ہے۔ یعنی میٹر یا مادہ ایک ہے مختلف درختوں میں جا کر مختلف صورت میں جلوی گر ہو رہا ہے۔ یہی پانی کبھی ایک رنگ پھول بن جاتا ہے اور کبھی ایک پھول میں بے شمار رنگ بن جاتا ہے۔

قرآن میں ہے:

اور وہی ذات بابرکت ہے جو آسمان سے پانی نازل کرتی ہے اور پانی سے قسم قسم کے پھل اور طرح طرح کی نوعوں کو وجود میں لاتی ہے۔

یہی پانی کسی خول کو خدوخال کے ساتھ خوبصورت بناتا ہے اور یہی پانی کسی خول کو بدصورت بنا دیتا ہے۔ پانی کی یہ کارفرمائی اتنی گہری اور عمیق ہے کہ اس کو سمجھنا دراصل نظام کائنات کا عرفان حاصل کر لیتا ہے۔

تخلیق کے اس نظام پر غور کرنے والے لوگ یہ جان لیتے ہیں کہ کائناتی تخلیقی پروگرام ایک رشتہ میں منسلک ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ موجودات میں دو نوعیں، انسان اور جن نظام کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ باقی نوعیں اس نظام کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتیں۔ یہ نوعیں اس نظام کائنات کو سمجھنے کی اہل اس لئے نہیں ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی پیش کردہ امانت کو قبول نہیں کیا۔ اور آدم زاد اس پُر پیچ نظام کو اس لئے سمجھنے کی قدرت رکھتا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی پیش کردہ امانت کو قبول کر لیا۔ اس بات کو قرآن یوں بیان کرتا ہے۔

www.ksars.org

”اور ہم نے اپنی امانت پیش کی سماوات کو، زمین کو، پہاڑوں کو لیکن
سب نے اس بات کا اعلان کر دیا کہ ہم اس امانت کے متحمل نہیں
ہو سکتے اور انسان نے بغیر سوچ سمجھے اس امانت کو قبول کر لیا۔
بیشک یہ ظالم و جاہل ہے۔“

ظلم اور جہالت یہ ہے کہ آدم کے پاس اللہ تعالیٰ کی وہ امانت موجود ہے جس امانت سے کائنات کی ساری مخلوق محروم ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۂ آلِ عمران میں فرماتے ہیں:

”وہ دن آ کر رہے گا جب بعض چہرے نورانی ہو جائیں گے اور بعض
تاریک۔ سیاہ رُو لوگوں سے کہو کہ تم نے اللہ کو تسلیم کرنے کے بعد
اس کے احکام سے انحراف کیا، اب اس بدکاری کی سزا بھگتو اور باقی
وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی امانت قبول کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی
خوشنودی کو ہر چیز سے زیادہ مقدم رکھا، ان کے چہرے زیادہ نورانی ہونگے۔
اور ان کے اوپر اللہ تعالیٰ کی دائمی رحمت نازل ہوتی رہے گی۔“

*****

KSARS
www.ksars.org

آدم و حوا

خدا جب سورج کی شعاعوں کے ڈول سمندر میں ڈالتا ہے تو سورج پانی کے ذرات سے ان بھرے ہوئے ڈولوں کو فضائے بسیط میں بکھیر دیتا ہے، وہاں ایک پروسیس کے تحت پانی کے ذرات بادل بن کر زمین پر برستے ہیں اور اس طرح پوری زمین سیراب ہوتی رہتی ہے۔ آدم کو جب زمین پر پھینکا گیا تو اس نے شکوہ کیا کہ میں اپنی غذائی ضرورتیں کہاں سے پوری کروں گا۔ اللہ نے کہا، زمین کو ہم نے تمہارے لئے وسائل کا ذخیرہ بنادیا ہے۔ زمین کی کوکھ کھولو۔ تمہیں تمہاری ضروریات کی ساری اشیاء فراہم کر دی جائیں گی۔ آدم نے اپنے رب کی فضل سے زمین کو کریدا اس میں سے ضرورت کی تمام چیزیں اسے میسر آگئیں۔ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص جیسی محنت کرتا ہے، ویسا ہی پھل اسے مل جاتا ہے۔ آدم اور اس کی زوجہ حوا جنت میں عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے تھے لیکن یکسانیت سے گھبرا کر وہ ایسی غلطی کر بیٹھے جس کی پاداش میں جنت نے انہیں رد کر دیا۔ بلاشبہ جنت ایک مخصوص کردار کا گنجینہ ہے اور جب اس مخصوص کردار میں ٹوٹ پھوٹ واقع ہوگئی تو آدم و حوا کا مسکن زمین بن گئی۔

یہ دنیا دوئی کی دنیا ہے۔ دنیا کا ایک کردار بھی اس دوئی سے آزاد نہیں ہے۔ موسم کا گرم و سرد میں تبدیل ہونا، خوشی کے اوپر غم کا سایہ اور غم کے اوپر خوشی کا غلبہ، عزت، لمحہ بھر بعد بے عزتی، صحت، بیماری، محبت اور نفرت، نفرت اور محبت، رات کا دن سے نکلنا اور دن کا رات میں داخل ہونا____ یہ سب دوئیاں دراصل ہر کردار کا متضاد پہلو ہے۔ دوئی کی دنیا میں جب تک اس تضاد کو نہیں سمجھا جائے گا کسی چیز کو سمجھنا ممکن نہیں ہے۔

جب تک میں ذلت کو نہیں سمجھتا، میرے لئے یہ سمجھنا کہ عزت کیا ہے ایک مفروضہ عمل ہے۔ اسی طرح اگر میں نہیں جانتا کہ مصیبت کیا ہے تو خوشی کا تذکرہ میرے لئے بے معنی بات ہوگی۔

جب ہم اس دوئی کی دنیا کے بارے میں سوچتے ہیں تو ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ دوئی کا تعلق جسم سے ہے۔ جب تک جسمانی تحریکات موجود ہیں، دوئی بھی موجود ہے۔ خوشی غم، بیماری صحت، گرمی سردی، نفرت محبت، خود غرضی اور اخلاص کا تعلق جسم کے ساتھ ہے۔ جسم بھی دوئی کے اوپر قائم ہے۔ ایک مٹی کے ذرات سے بنا ہوا جسم، دوسرا جنت کی روشنیوں سے بنا ہوا جسم۔ مٹی کے ذرات سے بنا ہوا جسم مادی جسم ہے اور جنت کی روشنیوں کا بنا ہوا جسم روحانی جسم ہے۔ انسان روحانی اور مادی جسم کی دوئی میں زندگی گزارتا ہے۔ جسمانی پابند تصورات سے نجات پانے کے لئے مادی جسم سے نہیں، جسمانی تصورات سے نجات پانا ضروری ہے۔ مادی جسم کو اس طرح تربیت دینا ہوگی کہ وہ ان دوئیوں کو ایک ساتھ قبول کرے۔ خوشی اور مصیبت کی دوئی صرف مادی جسم کی

www.ksars.org

وجہ سے ہے۔ لیکن اگر آدمی کے اندر قلندر شعور متحرک ہو جائے تو تمام دوئیاں موجود رہنے کے باوجود بے معنی ہو جاتی ہیں۔ اور کبھی عارضی طور پر معدوم بھی ہو جاتی ہیں۔

زندگی گزارنے کی ایک طرز یہ ہے کہ آدم زاد ہمہ وقت، ہر آن ہر لمحہ پابند حواس کے ساتھ زندگی گزارتا ہے۔ زندگی گزارنے کی دوسری طرز یہ ہے کہ آدم زاد پابند حواس کے ساتھ بھی آزاد زندگی گزارتا ہے۔ حزن و ملال کے تاثرات اسے متاثر نہیں کرتے ۔وہ خوش بھی نہیں رہتا کہ خوشی کے ساتھ دوسرا رخ غم چپکا ہوا ہے۔ زمین کے اوپر وسائل کی چکا چوند اس کی آنکھوں کو خیرہ نہیں کرتی کہ زمین سے دور، بہت دور اعلیٰ زمین، جنت اس کی نگاہوں کے سامنے ہوتی ہے۔ جس طرح مادیت میں قید وہ یہاں روٹی کھاتا ہے، اسی طرح مادیت سے آزاد ہو کر جنت کے باغات سے انگور کے خوشے حاصل کرنا اس کے لئے آسان ہے۔ جب کوئی شخص دوئی سے واقف ہو کر خود شناسی میں مکمل ہو جاتا ہے تو اس کے اوپر زندگی کی ایک نئی راہ، نئی طرز اور نیا اسلوب منکشف ہو جاتا ہے۔ ایسے شخص کو قلندر شعور کا حامل مرد آزاد کہا جاتا ہے۔ مرد آزاد ہر چیز کو ایک ہی نظر سے دیکھتا ہے خواہ وہ پتھر ہو یا سونا ہو۔ مردِ آزاد جب یہ جان لیتا ہے کہ میں صرف جسم نہیں ہوں تو اپنی جسمانی ضروریات کو ہی زندگی نہیں سمجھتا۔ اس کے سامنے زندگی کا ایک اعلیٰ مقصد ہوتا ہے اور وہ ظاہر و باطن اس بات کا مشاہدہ کر لیتا ہے کہ یہ دنیا عارضی اور ایک فکشن (FICTION) ہے۔ اس کا دل پر سکون رہتا ہے۔ وہ مادی دنیا سے متاثر ہو کر منتشر نہیں ہوتا۔ مادی چمک دمک سے وہ خوش تو ہوتا ہے لیکن یہ چمک دمک اسکے لئے کشش نہیں بنتی۔

قلندر شعور کے حامل آزاد انسان کی نظر میں خیر خواہ دوست اور دشمن، رشک و حسد کرنے والے، پاکباز اور پاپی، بے لوث اور خود غرض، جانبدار اور غیر جانبدار سب کی حیثیت یکساں ہو جاتی ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ ہم صرف جاندار اشیاء ہیں اور کائنات جاندار اشیاء کے لئے ایک اسٹیج ہے۔ کائنات میں ہر فرد اپنا اپنا کردار ادا کر رہا ہے۔ کائنات دراصل ایک بڑے ڈرامے کی طرح ہے۔ جس میں ہر فرد اپنا کردار ادا کر کے رخصت ہو جاتا ہے۔

کائنات ایک ہے۔ اس کا ڈرامائی کردار مختلف ہے۔ کوئی کردار ظلم ہے اور کوئی کردار مظلوم ہے۔ کسی کے سپرد امن و آشتی کا پیغام دینا اور کسی کو اس بات پر متعین کر دیا گیا ہے کہ وہ تخریب کاری کا پرچار کرے۔

جس طرح ایک فلم سینکڑوں ہزاروں اسکرین پر دیکھی جا سکتی ہے اسی طرح کائنات کی تمثیل لوحِ محفوظ سے ڈسپلے (DISPLAY) ہو رہی ہے۔ کائنات میں موجود ہر زمین ایک اسکرین ہے۔ قلندر شعور بیدار ہو جاتا ہے تو ساری کائنات ایک فلم اور کائنات میں کھربوں زمینیں اسکرین نظر آتی ہیں۔ اندر کی آنکھ گوشت پوست کی آنکھ کو دکھا دیتی ہے کہ جو کچھ اس

www.ksars.org

زمین پر ہو رہا ہے، جس طرح اس زمین پر کھیتی باڑی ہو رہی ہے، شادی بیاہ کی تقریب کے بعد ایک نسل سے دوسری نسل وجود میں آ رہی ہے، بالکل اسی طرح کائنات میں موجود دوسری تمام زمینوں پر بھی نظام جاری وساری ہے۔

KSARS
www.ksars.org

محاسبہ

پیغامبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک شہر سے دوسرے شہر تبلیغ کے لئے جارہے تھے کہ راستے میں انہیں ایک یہودی نے سلام کیا ۔"اے بندہ خدا! اس سفر میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں۔"

دونوں مسافر چلتے چلتے جب تھک گئے اور سورج بھی نصف النہار پر آگیا تو یہودی نے تجویز پیش کی دھوپ کی تمازت، بھوک اور پیاس کی شدت سے بچنے کے لئے کسی سایہ دار درخت کے نیچے ایک پہر گزار لیا جائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور یہودی ایک درخت کے نیچے جا ٹھہرے۔ سورج کی جھلس دینے والی شعاعوں سے درخت نے جب تحفظ فراہم کیا اور اعصاب کو سکون ملا تو یہودی نے عرض کیا "آیئے، کھانا کھالیں۔" عیسیٰ علیہ السلام اور یہودی نے ایک ساتھ اپنے اپنے دستر خوان کھولے۔ یہودی نے دیکھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دستر خوان میں دو روٹیاں تھیں اور یہودی کے پاس تین روٹیاں تھیں۔ یہودی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا "میں عمر میں آپ سے بڑا ہوں کھانا کے ساتھ پانی کا ہونا بھی ضروری ہے۔" حضرت عیسیٰ علیہ السلام پانی لینے چلے گئے اور یہودی نے اپنی تین روٹیوں میں سے ایک جلدی جلدی کھالی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پانی لیکر آئے اور دونوں مسافر کھانا کھانے بیٹھے تو حضرت عیسیٰ نے دیکھا کہ یہودی کے دستر خوان میں دو روٹیاں ہیں۔

انہوں نے کہا "اے شخص! تیرے پاس تین روٹیاں تھیں۔ ایک روٹی کہاں گئی؟"

یہودی نے کہا۔ "آپ کو مغالطہ ہوا ہے میرے پاس دو ہی روٹیاں تھیں۔"

کھانا کھانے کے بعد یہودی قیلولہ کے لئے لیٹا اور سو گیا۔ حضرت عیسیٰؑ اٹھے اور ریت کی تین ڈھیریاں بنائیں اس کے اوپر پھونک ماری تو وہ سونا بن گئیں۔ یہودی بیدار ہوا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ سامنے کچھ فاصلے پر سونے کی تین ڈھیریاں پڑی ہیں اس نے نہایت تعجب اور بے یقینی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا یہ سونا کس کا ہے؟"

عیسیٰؑ نے فرمایا: "ایک میری ہے، ایک تیری ہے اور تیسری اس کی جس نے تیسری روٹی کھائی۔"

یہودی فوراً بول پڑا۔ "وہ روٹی میں نے کھائی تھی"۔۔۔ تھوڑی دیر کے بعد یہودی گویا ہوا۔ "اے حضرت! آپ نبی اللہ ہیں۔ آپ کو دنیا کی دولت سے کیا غرض، سونے کی یہ تیسری ڈھیری بھی مجھے دے دیں۔"

www.ksars.org
KSARS

عیسیٰؑ نے کہاایک شرط ہے۔ میرے اور تیرے درمیان ساتھ سفر کرنے کا جو معاہدہ ہوا تھا، تو اس کو ختم کر دے تاکہ میں اپنی راہ لو ں۔

یہودی نے کہا۔ ''ٹھیک ہے، آپ تشریف لیجائیں، میں تنہا سفر کر لوں گا۔''

حضرت عیسیٰؑ نے کندھے پر کمبل ڈالا اور درخت کے نیچے سے رخصت ہو گئے ابھی وہ زیادہ دور نہیں پہنچے تھے کہ یکایک تین آدمی نمودار ہو گئے۔ ایک نے باآواز بلند یہودی سے کہا۔ ''اے شخص! تو یہاں کیا کر رہا ہے، کیا تو ہمارے حق پر غاصبانہ قبضہ کرنا چاہتا ہے؟'' یہودی نے یہ سن کر اس آدمی پر لعن وطعن کی مگر جب ان کی باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا تو وہ منت وزاری کرنے لگا۔ مگر ان تینوں آدمی کے پاس یہ دلیل تھی کہ ہم تین ہیں اور یہ ڈھیریاں بھی تین ہیں۔ یہودی بہت رویا۔ بہت گڑ گڑایا تو ان تینوں میں سے ایک نے جو سردار تھا، کہا۔ ''ایک طریقہ ہے تم ان تینوں میں سے ایک ڈھیری لے سکتے ہو۔''

یہودی چار روناچار راضی ہو گیا۔ معاہدہ یہ طے پایا کہ یہودی بازار جا کر ان تینوں کے لئے کھانا لائے اور اس بات کی اطلاع پولیس کو نہ دے۔ یہودی نے بازار سے کھانا خرید کر اس میں زہر ملا دیا کہ وہ تینوں غاصب کھا کر مر جائیں اور سارے سونے پر اس کا قبضہ ہو جا ئے۔ ادھر ان تینوں میں سے ایک نے یہ ترکیب سوچی کہ یہودی جیسے ہی کھانا لیکر آئے اسے قتل کر دیا جائے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہودی کو قتل کر دیا اور تینوں کھانا کھا کر ہلاک ہو گئے۔

ہم جب اپنے معاشرے پر غور کرتے ہیں تو ہمارا ذہن وقت کی نفی کر کے ۳۷ سال پہلے ماضی میں پہنچ جاتا ہے۔ ۱۹۴۷ء کے ایک دن میں مشرقی پنجاب کی ریاست پٹیالہ میں ایک وسیع و عریض، بلند و بالا حویلی میں مقیم تھا۔ ہر طرف ہاہاکار مچی ہوئی تھی مشین گن میں سے نکلنے والی گولیوں کی آواز سے شعور معطل اور اور اعصاب مضمحل ہو رہے تھے۔ جو بھی گھر سے باہر نکل رہا تھا اس کو موت اچک لیتی تھی۔ جو لوگ گھروں میں بند تھے، ان کے گھروں کو آگ لگا دی جاتی تھی۔ قدرت کا کرنا ایسا ہوا کہ سات روز کی قید اور بھوک پیاس کی اذیت سے نجات ملی تو گھر والوں کو گھر سے باہر نکال دیا گیا۔ مجھے اس طرف سے اُس طرف جانے کے لئے ایک سڑک عبور کرنا تھی۔ کچھ دیر ٹھہر کر، رک کر، عالم خواب میں نہیں، عالم ہوش و حواس، میں نے یہ چاہا کہ سڑک اس طرح پار کر لوں کہ میرے قدم لاشوں کے اوپر نہ پڑیں۔ مگر سڑک لاشوں سے اٹی پڑی تھی اور مجھے مجبوراً پنجوں کے بل لاشوں کے اوپر سے گزر کر سڑک کی دوسری طرف جانا پڑا۔ گھروں کی چھتوں سے خون بہہ رہا تھا، نالے خون آلود پانی سے بھرے ہوئے تھے۔ بچے بلک رہے تھے۔ خواتین چادر اور چار دیواری سے آزاد عبرت کا مرقع بنی ہوئی تھیں۔ دولت کے انبار اور نوٹوں بھری ہوئی گٹھڑیاں مٹی سے بھی زیادہ بے وقعت ہو گئی تھیں۔

www.ksars.org

۱۴ اگست کا سورج جوں ہی افق سے نمودار ہوا۔ اس کی شعاعوں میں ایک پیغام تھا ایک قوم دوسری قوم سے آزادی حاصل کر کے اپنی نسل کے لئے ایک فلاحی مملکت قائم کرے۔ بھوکی اور ننگی قوم پر قدرت نے اپنے خزانے کھول دیئے تاکہ قوم وسائل کی کمی کا شکوہ نہ کرے اور قوم کے فلاحی کاموں میں کوئی رخنہ اندازنہ ہو۔

ایک نسل ختم ہو گئی۔ ایک نسل جوان ہو کر بڑھاپے کی طرف گامزن ہے اور ایک نسل جوان ہو رہی ہے۔ تینوں نسلوں کو فرشتے ترغیبی پروگرام انسپائر کرتے رہے مگر جیسے جیسے قدرت کا انعام عام ہوتا رہا، قوم کے اندر زر اور زمین کی ہوس بڑھتی گئی اور آج یہ حرص و ہوس قوم کے جسم کے لئے ناسور بن گئی ہے۔

قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ دھرتی پر وہی قومیں زندہ رہتی ہیں جو اپنے ماضی کو یاد رکھتی ہیں اور حال میں کئے ہوئے اعمال کا محاسبہ کرتی ہیں۔

*****

KSARS
www.ksars.org

کیمرہ

خدا وہ ذات اور رب وہ ہستی ہے جو سب کے دل میں موجود ہے۔ جس طرح دل کی حرکت کے بغیر زندگی کا تصور نہیں کیا جا سکتا، اس طرح خدا کے بغیر دل کی حرکت کا تصور بے معنی ہے۔ خدا سب کا دوست ہے اور ایسا دوست ہے جو بار بار ہر ہر جنم میں، پنگوڑے میں، لڑکپن میں، جوانی میں، بڑھاپے میں ہمارے ساتھ رہتا ہے۔

باپ کے تخلیقی سیال مادہ کو جب ماں قبول کرتی ہے اور یہ دو قسم کے لعاب آپس میں تحلیل ہو جاتے ہیں جو جسم وجود میں آتا ہے اور ماں کے جسم کے مطابق وہ جسم ڈھلتا اور بڑھتا رہتا ہے۔ اور ہڈیوں کے پنجرے پر گوشت کی دبیز تہوں کو جب اعصاب کی پٹیوں سے کس کر کھال کے پلاسٹر سے مزین کر دیا جاتا ہے تو جسم کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ اس مکمل شدہ جسم کو گرمی کے تھپیڑوں اور خنک لہروں سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک بند کوٹھری مـــیں تحفظ فراہم کیا جاتا ہے بلکہ جسم کی نشوونما کے لیے ماں کے اندر دوڑنے والے خون کو ایک پائپ کے ذریعے اس وجود کی رگوں اور شریانوں میں دوڑایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس بند کوٹھری سے باہر آنے سے پہلے اس وجود کی نشوونما کے لئے ماں کے سینے میں غذا کا ذخیرہ کر دیا جاتا ہے۔ یہ نسلی سلسلہ کتے، بلی، شیر، بکری، اونٹ، گائے، گھوڑے، ہاتھی، دیگر چوپائے اور انسان میں ایک مسلسل، متواتر اور مشترک عمل ہے۔ بیشک سیال مادہ کی منتقلی میں تخلیق کا راز چھپا ہوا ہے۔

دکھ سکھ کی زندگی گزارنے کے بعد جسم پر موت وارد ہو جاتی ہے۔ پھر یہی جسم ماں باپ کے جسم میں جلوہ گر ہو کر کسی باپ کی پشت اور کسی ماں کے بطن میں داخل ہو جاتا ہے اس طرح نئی نئی صورتیں علم وجود میں آتی رہتیں ہیں۔

نوعوں کے نسلی سلسلہ پر غور کیا جائے تو یہ راز منکشف ہوتا ہے کہ باوجود مشترک قدروں کے ہر نوع کی اپنی ایک انفرادیت ہے۔ سننا، دیکھنا، محسوس کرنا، بھوک پیاس کا تقاضا سب میں مشترک ہے مگر پھر بھی ہر نوع اور ہر نوع کا ہر فرد ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

ہمارا دوست خدا، ہمیں اس تسلسل کے ساتھ سنبھالے ہوئے ہے کہ ہمارا نسلی تشخص برقرار رہتا ہے۔ پیدائش کا عمل ایک ہونے کے باوجود کائنات کے ہر وجود کی اپنی ایک الگ شناخت ہے۔ جب ہماری ''زمین ماں'' ہمارے دکھ سکھ ختم کرنے کے لئے ہمیں اپنی آغوش میں اس طرح سمیٹ لیتی ہے کہ مادی وجود معدوم ہو جاتا ہے تو خدا، ہمارا دوست ہمیں دوسری دنیا میں نسلی سلسلہ کے خلاف پیدا کر دیتا ہے۔ مرنے جینے کا یہ سلسلہ ازل سے قائم ہے اور ابد تک قائم رہے گا۔

www.ksars.org

میں خواجہ شمس الدین عظیمی ازل میں ''کن'' کا ظہور بنا۔لوح محفوظ کے کیمرے نے میری فلم بنائی اور یہ فلم برزخ کی اسکرین پر ڈسپلے(DISPLAY)ہوئی۔ برزخ کے پروجیکٹر نے خواجہ شمس الدین عظیمی کی اس فلم کو ڈسپلے کیا تو نسلی سلسلے کی مشین نے مقررہ پروسیس(PROCESS) کے تحت زمین کی اسکرین پر دکھادیا۔زمینی کیمرہ خواجہ شمس الدین عظیمی کی ایک ایک حرکت اور ایک ایک عمل کی فلم بناتا رہا۔اور یہ فلم مکمل ہوئی تو عالم اعراف کی اسکرین پر منتقل ہوگئی۔عالم اعراف سے حشر و نشر اور حشر و نشر سے جنت و دوزخ تک یہ فلم نظر آتی رہی اس مربوط نظام کو چلانے والا، تحفظ دینے والا کون ہے______ ؟

ہمارا دوست خدا ہے !

ہمیں پوری سنجیدگی کے ساتھ، متانت اور بردباری کے ساتھ یہ سوچنا ہوگا کہ مرنے جینے اور جسم کی نئی تبدیلیوں کے پیچھے کیا عوامل کام کررہے ہیں، کیوں یہ سلسلہ قائم ہے ہم کیوں قائم بالذات نہیں ہوجاتے، کیا ہم بار بار تبدیلی جسم کے سلسلے کو ختم کرسکتے ہیں اور کیا ہم بقائے دوام پاسکتے ہیں۔اور کیا ہر آن ہر لمحہ جسمانی، ذہنی، شعوری تبدیلی سے نجات ممکن ہے؟ ہمیں یہ تفکر کرنا ہوگا کہ اختلاف لیل و نہار کے ساتھ ساتھ ہم بھی کیوں تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔

یہ جاننے کے لئے ہمیں اپنے دوست خدا کو پہچاننا ہوگا اور جب ہم اپنے سچے، پاک اور ایثار کرنے والے دوست خدا سے واقف ہو جائیں گے تو ردوبدل کا یہ لامتناہی سلسلہ ایک نقطہ پر ٹھہر جائے گا۔

بچہ جب چھوٹا ہوتا ہے تو اپنے ماں باپ کو پیار کرتا ہے، اور پھر بہن بھائی کو اور جیسے جیسے بڑا ہوتا ہے وہ اپنے کنبے، سماج، فرقے، ملک، قوم اور نوع انسان سے پیار کرنا شروع کردیتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ مطمئن نہیں ہوتا۔اس کے اندر محبت اور پیار کی تشنگی باقی رہتی ہے۔ آج کا بچہ کل کا بوڑھا ہونے تک پیاسا ہی رہتا ہے۔اور یہ تشنگی اس وقت تک نہیں بجھتی جب تک وہ نہیں جان لیتا کہ سچا، بے غرض اور عظیم و شان محبوب کون ہے۔ سارے پیار کی پیاس اس وقت بجھ جاتی ہے جب ہم اپنے دوست خدا کو محبت کی آنکھ سے دیکھ لیتے ہیں۔ پھر یہ ہوتا ہے کہ ہماری محبت روشنی یا ہوا کی لہر بن جاتی ہے، ایسی لہر جو سارے جہان میں پھیل کر محبت کی خوشبو بکھیر دیتی ہے۔

قلندر شعور اس سلسلے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح ہمارا دوست خدا ہم سے اور کائنات میں موجود ساری مخلوق سے محبت کرتا ہے ہم بھی اس کی مخلوق سے محبت کریں۔ جس طرح ہمارا دوست خدا مخلوق کے کام آتا ہے اسی طرح ہم بھی اس کی مخلوق کی خدمت کریں۔

www.ksars.org

قلندر باباؒ اولیاء

جمعہ کی نماز کے بعد نمازی مسجد سے باہر آئے تو دیکھا کہ ایک صاحب مذہبی لٹیریچر تقسیم کر رہے تھے۔ لوگ اس لٹریچر کو حاصل کر نے میں کچھ ایسی بے صبری کا مظاہرہ کر رہے تھے کہ لگتا تھا شیرینی تقسیم ہو رہی ہے۔ میرے ہاتھ بھی ایک کتاب لگی۔ جب میں وہاں سے چلا تو پیچھے سے ایک دوست نے آواز دی اور کہا آیئے کہیں چل کر بیٹھتے ہیں، ان مذہبی کتابچوں پر بحث کریں گے۔ میں نے کہا بھئی، میں فقیر آدمی ہوں۔ مجھے بحث سے کیا کام، میرا مسلک انسانیت اور مخلوقِ خدا کی خدمت ہے۔ خدمت کرنے والا بندہ اختلافی مسائل میں نہیں الجھتا۔ لیکن دوست کے اصرار و زور زبردستی سے ہم دونوں ایک ہوٹل میں جا بیٹھے۔ دوست بولا کہ مذہب محض پابندی کا نام ہے، یہ نہ کرو، وہ نہ کرو اور یہ پابندی بھی ایسی ہستی سے منصوب کی جاتی ہے جو نظر نہیں آتی اس نظر نہ آنے کو آپ غیب کہتے ہو۔ میں نے جان چھڑانے کے لئے ان سے بہت معذرت کی اور کہا میرے بھائی، مذہب اور غیب یہ دونوں عنوان ایسے ہیں جو یقین سے تعلق رکھتے ہیں اور یقین اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ مشاہدہ نہ بن جائے۔ جہاں تک اس ہستی کا تعلق ہے جس ہستی سے مذہب اور غیب کو منصوب کیا جاتا ہے وہ اس بات پر قدرت رکھتی ہے کہ جب چاہے اپنا مشاہدہ کرادے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی بحث کا آغاز ہو گیا اور مجھے قلندر باباؒ اولیاء کی ٹیپ شدہ ایک بات یاد آگئی۔

ابدال حق، حسن اخریٰ محمد عظیم برخیا قلندر باباؒ اولیاء فرماتے ہیں:

روحانیت میں لاتناہیت کی اَنا خصوصیت رکھتی ہے اور لازمانیت کی اَنا بھی تذکرے میں آتی ہے۔ روحانی اقدار سے متعلق جتنے علوم اب تک زیرِ بحث آئے ہیں، ان سب علوم میں کائنات جو مظاہر میں اہمیت رکھتی ہے وہ بعد کی چیز ہے۔ پہلے مخفی اور غیب کو زیرِ غور لا یا جاتا ہے اور مخفی اور غیب ہی کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگر مخفی اور غیب سمجھنے میں آسانی ہونے لگے تو مظاہر کس طرح بنتے ہیں، مظاہر کے بننے اور تخلیق ہونے کے قوانین کیا ہیں۔ یہ ساری باتیں آہستہ آہستہ ذہن میں آنے لگتی ہیں اور فکر ان کو اسی طرح محسوس کرتی ہے جس طرح بہت سی باتیں جو انسان کے تجربے میں نوعمری سے ہوش کے زمانے تک آتی رہتی ہیں۔ ان میں ایک خاص فکر کا ارتباط رہتا ہے۔ ان تمام چیزوں کو جو غیب سے متعلق ہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بہت سے نام دیئے ہیں اور انبیاء نے ان ناموں کا تذکرہ کر کے ان کے اوصاف کو عوام کے سامنے پیش کیا ہے۔ قرآنِ پاک سے پہلی کتابیں بھی ان چیزوں پر روشنی ڈالتی ہیں لیکن ان کتابوں میں جستہ جستہ تذکرے ہیں۔ زیادہ تفصیلات قرآنِ پاک میں ملتی ہیں۔ قرآن پاک کی تفصیلات پر جب غور کیا جاتا ہے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ غیب مظاہر سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ غیب کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ مذہب یا دین جس چیز کو کہتے ہیں وہ غیب ہی کے BASE پر منحصر ہے۔ مظاہرے کا تذکرہ مذہب میں ضرور آتا ہے لیکن ثانویت رکھتا ہے۔ اس کو کسی

www.ksars.org
KSARS

دور میں بھی اولیت حاصل نہیں تھی۔مادی دنیا اسے کتنی ہی اولیت دے لیکن آہستہ آہستہ وہ بھی اسی طرز پر سوچنے لگی ہے مثلاً موجودہ دور کے سائنسداں بھی غیب کو اولیت دینے پر مجبور ہو گئے ہیں۔وہ کسی چیز کو فرض کرتے ہیں فرض کرنے کے بعد پھر نتائج اخذ کرنے کی کوشش کرنے میں لگ جاتے ہیں۔اور جب نتائج اخذ کرتے ہیں تو ان تمام چیزوں کو حقیقی،لازمی اور یقینی قرار دیتے ہیں جیسا کہ بیسویں صدی میں الیکٹران کا کردار زیرِ بحث ہے۔الیکٹران کے بارے میں سائنسدانوں کی ایک ہی رائے ہے۔کہ وہ بیک وقت AS A PARTICLE اور AS A WAVE , BEHAVE کرتا ہے اب یہ غور طلب ہے کہ جو چیز محض مفروضہ ہے وہ بیک وقت دو طرز پر عمل کر رہی ہے اس کے عمل کو یقینی تسلیم کیا جائے۔وہ ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ الیکٹران کو نہ آج تک دیکھا گیا ہے اور نہ آئندہ اس کے دیکھنے کی امید ہے۔لیکن ساتھ ہی وہ الیکٹران کو اتنی ٹھوس حقیقت تسلیم کرتے ہیں جتنی ٹھوس کوئی حقیقت اب تک نوعِ انسانی کے ذہن میں آسکی ہے یا نوعِ انسانی جس حقیقت سے اب تک روشناس ہو سکا ہے۔اب ظاہر ہے کہ صرف مفروضہ ان کے ذہن میں ہے۔اور مفروضہ سے چل کر وہ ایسی منزل تک پہنچ جاتے ہیں جس منزل کو اپنے لئے ایجادات اور بہت زیادہ اہمیت کی اور کامیابی کی منزل قرار دیتے ہیں۔اس اہم منزل کو وہ نوعِ انسانی کے عوام سے روشناس کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ جن حقائق کو وہ حقائق کہہ کر ایک مرتبہ پیش کر چکے ہیں۔چند سال کے بعد یا زیادہ مدت کے بعد وہ ان حقائق کو رد کر دیتے ہیں اور رد کر کے نئے طور اطوار کے نئے فارمولے لے آتے ہیں اور ان نئے فارمولوں کو پھر انہی حقائق کا مرتبہ دیتے ہیں۔جن حقائق کا مرتبہ پہلے وہ ایک حد تک برسہا برس کسی بھی ایک رد شدہ چیز کو دے چکے تھے۔ظاہر ہے کہ غیب کی دنیا ان کے لئے اولیت رکھتی ہے حالانکہ وہ محض مادہ پرست ہے۔اور خود کو مادیت کی دنیا کا پرستار کہتے ہیں۔وہ ایک لمحے کے لئے یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات یا غیب کی دنیا کوئی چیز ہے یا کوئی اہمیت رکھتی ہے یا اس کے کوئی معنی ہیں یا قابل تسلیم ہے یا اس کو نظر انداز کرنا مناسب نہیں ہے۔اس قسم کے تصورات جن کو مادیت کہنا چاہئے ان کے ارد گرد جمع رہتے ہیں اور جب کبھی کسی غیب کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو وہ ہمیشہ ایک ہی مطالبہ کرتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ جب تک DEMONSTRATION نہ کیا جائے اس وقت تک ہم کسی غیب سے متعارف ہو سکتے ہیں اور نہ کسی غیب سے متعلق یقین کرنے کو اور یہ سمجھنے کو کہ غیب کوئی خبر ہو سکتا ہے ہم تیار ہیں یا یہ کہ ہم سائنس کی دنیا میں نظریۂ غیب کو یا غیب کے تذکرے کو کوئی جگہ دینے کے لئے آمادہ ہیں۔بہر کیف وہ جس طرح بھی کہتے ہیں یہ تو صرف طرز فکر ہے اور طرز گفتگو ہے۔لیکن عملی دنیا میں اور تفکر کی عملی منزل میں وہ اسی مقام پر ہیں جس مقام پر ایک آدمی غیب پر یقین کرنے والا اللہ تعالیٰ کی ذات کو پیش کرتا ہے اور ان تمام ایجنسیوں کو تسلیم کرنا ہے جن کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کیا ہے اور وہ ایجنسیاں جو شرط ایمان ہیں اور کسی ایسے شخص کو جو اللہ کو مانتا ہے اپنا تسلط رکھتی ہیں۔اور ان تمام ایجنسیوں ان تمام ہستیوں کو وہ ایسی زندہ حقیقت اور ایسی ٹھوس معنویت تسلیم کرتا جیسے کہ مادہ پرست کسی پتھر کی یا معدنی کسی ایسے مظاہر کے متعلق چیز کو تسلیم کرتے ہیں جو ان کے سامنے بطور مشاہدے کے ہمہ وقت سامنے رہتی ہے۔اور جس کو یہ چھوتے،چکھتے،دیکھتے اور سمجھتے ہیں۔جس کے متعلق وہ یہ کہتے ہیں کہ اس

www.ksars.org

میں تغیر ہے، اس میں توازن ہے، اس میں ایک امتزاج ہے، اس میں تاثر ہے، اس میں قوت ہے اور جس قسم کی چیزیں وہ مادیت کی دنیا میں دیکھتے ہیں ان تمام چیزوں کا وہ اسی طرح تذکرہ کرتے ہیں اور ان پر ایک خاص طرز سے ایمان رکھتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہنا چاہتا ہوں ایک خدا کا پرستار جس طرح غیب پر ایمان رکھتا ہے۔ بالکل اسی طرح مادے کا پرستار مادیت کی دنیا پر یقین رکھتا ہے ۔نہ خدا پرست کو غیب کی دنیا پر ایمان رکھے بغیر چارہ ہے اور نہ مادیت پرست کو مادے پر ایمان لائے بغیر مفر ہے۔ دونوں ایک نہ ایک طرز رکھتے ہیں۔ اور ان میں یہ چیز مشترک ہے کہ اس طرز پر ان کا ایمان اور ایقان ہوتا ہے۔ اسی ایمان اور ایقان کو یہ زندگی کہتے ہیں۔ اصل میں کہنے کی بات یہ ہے کہ کوئی زندگی بغیر ایمان و ایقان کے ناممکن ہے خواہ کسی خدا پرست کی زندگی ہو یا مادہ پرست کی۔

*****

www.ksars.org

روحانی آنکھ

اللہ تعالیٰ ایک وجود ہے ایک ہستی ہے، جزولا تجزیٰ وجود، ماوراء ہستی۔ اس جزولا تجزیٰ وجود اور ماورائی ہستی کو خیال آیا کہ میں پہچانا جاؤں۔ پہچاننے کے لئے ضروری ہے کہ جزولا تجزیٰ وجود کے علاوہ اور بے شمار وجود موجود ہوں۔ جزولا تجزیٰ ماوراہستی نے اپنے ذہن میں موجود پروگرام کو جب وجود بخشا تو کہا "کن" اور موجودات ایک کنبے کی شکل میں تخلیق ہو گئیں۔

مشاہدے میں فتح کی آنکھ یہ دیکھتی ہے کہ اللہ کا یہ سارا کنبہ ایک نقطے میں بند ہے۔ جس طرح ٹھہرے ہوئے پانی میں جھانکنے سے پانی کے اندر اپنی شکل نظر آتی ہے، اسی طرح اس نقطے کے اندر دیکھنے سے یہ نظر آتا ہے کہ کائنات کے سارے افراد باہم دیگر جڑے ہوئے، ملے ہوئے اور ایک دوسرے میں پیوست ہیں۔ اس نقطے میں انسان بھی ہے، فرشتے اور جنات بھی ہیں۔ جمادات، نباتات اور حیوانات بھی ہیں۔ ان سب کی ہیئت کذائی اس طرح واقع ہے کہ ہر نوع کے ہر فرد میں ایک روشن نقطہ ہے اور اس روشن نقطے میں پوری کائنات منعکس ہے یعنی آدمی کے اندر بکری، بکری کے اندر نباتات و جمادات کے اندر فرشتے، جنات ارض و سماوات سب یکجا طور پر موجود ہیں۔

فتح کے بعد شہود کی دوسری نظر سیر ہے۔ سیر کی آنکھ یہ دیکھتی ہے کہ یہ سارا یکجائی پروگرام لوحِ محفوظ پر منقوش پروگرام خالقِ کائنات، کی تجلی سے بے شمار زمینوں (screen) پر ڈسپلے (Display) ہو رہا ہے۔ تقریباً ساڑے گیارہ ہزار نوعیں اور انسانی شماریات سے ماوراء ان نوعوں کے افراد کائنات کے کل پرزے ہیں۔ یہ کائناتی مشین ایک دائرے (Circle) میں چل رہی ہے۔ جزولا تجزیٰ وجود سے اس کی حرکت شروع ہوتی ہے۔ اور ماوراء ہستی کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ آپ چاہیں تو اس کی مثال دنیا کی کسی بھی مشین میں تلاش کر سکتے ہیں۔

اب آپ اپنے ہاتھ میں بندھی ہوئی گھڑی دیکھیے یہ چند پرزوں سے مل کر وجود میں آنے والی مشین ہے لیکن ان میں قدرت کے راز سربستہ ہیں۔ گھڑی کے اندر لیور، اسپرنگ اور گراری واضح نظر آرہے ہیں۔ لیکن ان کے باہمی اشتراک سے حرکت کا ایک نہ رکنے والا سلسلہ جاری ہے۔ کوئی آگے پیچھے حرکت کر رہا ہے، کوئی دائرے میں گھوم رہا ہے، کوئی لحظہ بہ لحظہ اپنے حجم کو زیادہ کر رہا ہے۔ بیک وقت کئی حرکتوں پر گھڑی کی زندگی قائم ہے۔ بظاہر سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ الٹی سیدھی حرکت کیوں ہو رہی ہے۔ کچھ دیر کے لئے حرکت کے اس عمل پر غور کرنے سے آنکھ پس پردہ چھپے ہوئے راز کو دیکھ لیتی ہے۔ کل پرزے کا بار بار ایک CYCLE میں چلنا اور پلٹنا ایک ہی حرکت ہے۔

www.ksars.org

گھنٹے، منٹ اور سیکنڈ کی سوئیاں ڈائل پر موجود ہیں۔ سیکنڈ کی سوئی تیزی سے حرکت کر رہی ہے۔ اس تیزی سے کہ ہماری آنکھیں اس حرکت کو محسوس کر رہی ہیں۔ منٹ اور گھنٹے کی سوئیاں بھی حرکت میں ہیں لیکن ہماری نگاہوں کی کمزوری اس رفتار یا حرکت کو محسوس نہیں کرتی۔ ایک وقفے کے بعد جب ہم ان سوئیوں پر نظر ڈالتے ہیں تو انکشاف ہوتا ہے کہ حرکت کا عمل جاری ہے۔۔ اس سسٹم میں اگر ایک پرزے کی کارگزاری بھی متاثر ہو جائے یا کسی وجہ سے اس کی حرکت معطل ہو جائے تو حرکت کا سلسلہ رک جائے گا۔

قدرت کا کارخانہ بھی کل پرزوں سے مرکب ہے آسمان، زمین، درخت، پہاڑ، چرندے، پرندے، حشرات لارض، فرشتے، جنات اور انسان سب اس عظیم الشان نظام کے اجزاء ہیں جن کے اشتراک سے حرکت کا منظم سلسلہ جاری و ساری ہے۔ فطرت کا اصول ہر نوع، ہر فرد، ہر ذرہ کے لئے یکساں ہے، البتہ انسان کائنات کی مشین کا ایسا پرزہ ہے جو اس مشین کے مکانزم سے واقف ہے۔ باقی مخلوق کل پرزے کی حیثیت میں حرکت کرنے پر مجبور ہے۔ میکانزم کے اس علم کو اللہ تعالیٰ نے امانت قرار دیا ہے۔

یہ مضمون قرآنِ پاک کی چار آیتوں اور ایک حدیثِ قدسی کی روشنی میں تحریر کیا گیا ہے:

۱۔ اس کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے "ہو" اور وہ ہو جاتی ہے۔ (قرآن)

۲۔ وہ اعلیٰ وارفع ذات اللہ ہے جس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا۔ (قرآن)

۳۔ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ کی طرف لوٹ جائے گی۔ (قرآن)

۴۔ میں نے اپنی امانت سماوات اور زمین اور پہاڑوں کو پیش کی۔ سب نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ہم اس امانت کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ اگر ہم نے اس امانت کو اُٹھالیا تو ہم ریزہ ریزہ ہو جائیں گے (ہمارا شعور بکھر جائے گا)۔ اور اس امانت کو انسان نے اٹھالیا۔ (قرآن)

۵۔ میں چھپا ہوا خزانہ تھا۔ پس میں نے محبت کے ساتھ مخلوق کو تخلیق کیا تاکہ میں پہچانا جاؤں۔ (حدیثِ قدسی)

www.ksars.org

شعوری دبِستان

زندگی کے ماہ و سال کا تجزیہ کرنے سے ہمیں نظر آتا ہے کہ زندگی اربوں کھربوں کل پرزوں سے بنی ہوئی ایک مشین ہے۔ جس طرح انسان کی بنائی ہوئی کوئی بھی چھوٹی بڑی مشین توانائی اور موبائل آئل کی محتاج ہے، اسی طرح انسانی پنجرے میں بند مشین بھی توانائیوں اور چکنائیوں کی محتاج ہے۔ جس طرح لکڑی، لوہے دھات کی مشین فیڈ نگ کے بغیر بے کار ہے۔اسی طرح انسانی مشین کو اگر فیڈ نہ کیا جائے تو اس کا ایک ایک عضو(PARTS)معطل اور بے کار ہو جاتا ہے۔

کیا خوب تماشا ہے!

آدمی کہتا ہے میرا دل، -آدمی کہتا ہے، میرا دماغ-آدمی کہتا ہے، میرے گردے، دل، دماغ، گردوں کو ایک نادیدہ توانائی بلا کسی توقف کے چلا رہی ہے اور ان بنیادی پرزوں کے ساتھ اربوں کھربوں پرزے (Cells) خود بخود متحرک ہیں۔ مگر آدم زاد کی کوتاہ نظری کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے اندر آواز کے ساتھ، جھٹکے کے ساتھ، تیز اور مدھم رفتار کے ساتھ چلنے والی مشین کو دیکھ نہیں سکتا، اس کی آواز سن نہیں سکتا۔ مشین کو چلانے والی توانائی کا غیر مرئی سلسلہ اگر منقطع ہو جائے تو اسے بحال نہیں کر سکتا۔

توانائی کا کام خود جل کر مشین کو مسلسل حرکت میں رکھنا ہے۔ توانائی کا صرفہ اگر اعتدال میں رہے تو زندگی بڑھ جاتی ہے۔ توانائی ضائع ہونے لگے تو زندگی کے چراغ کی لو مدھم پڑ جاتی ہے اور پھر یہ چراغ ایک ہی دفعہ بھڑک کر بجھ جاتا ہے۔

آگ کے شعلے دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک طرح کے شعلوں سے ہر چیز خاکستر ہو جاتی ہے اور دوسری طرح کے شعلوں سے ہر چیز کے اندر زندگی دوڑنے لگتی ہے۔ آدم زاد جب خیر کی روشنیوں سے اپنی آبیاری کرتا ہے تو یہ بھڑکتے ہوئے شعلے گلِ گلزار بن جاتے ہیں اور آدم زاد جب شر کے خمیر سے اپنی آبیاری کرتا ہے تو یہ شعلے اسے جہنم کی آگ میں دھکیل دیتے ہیں۔

خیر اور شر کیا ہے؟ طرزِ فکر کے دو نام ہیں۔ طرز فکر میں اگر بندگی اور اللہ کے ساتھ محبت ہے تو یہ خیر ہے۔ طرز فکر میں اگر غیر اللہ کی محبت ہے تو یہ شر ہے۔ خیر قائم بالذات (جل جلالہ) ہے اور شر قائم باالشیطان ہے۔ خیر کی تعریف یہ ہے کہ اللہ اسے پسند کرتا ہے اس کے برعکس شر یہ ہے کہ اللہ اسے پسند نہیں کرتا۔

آیئے، آج کی نشست میں کائنات کا نہیں، کائنات کے کل پرزے انسان کا مطالعہ کریں۔۔۔!

شعور میں داخل ہونے سے پہلے کوئی انسان باپ کی شفقت اور ماں کی مامتا سے واقف نہیں ہوتا۔ شعوری دبستان میں قدم رکھتے ہی انسان کے اندر نیا جوش اور نئے دلولے پیدا ہوتے ہیں۔ وہ اپنے اندر تخلیقی صلاحیتوں کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اور یہ تخلیقی صلاحتیں اسے بالآخر ایسے نقطے پر لے آتی ہیں جس نقطے کا آغاز ہی نئی نئی تخلیقات سے ہوتا ہے۔ کوئی بندہ جب اس نقطے میں داخل ہوتا ہے تو اس کے اندر باپ کی شفقت

www.ksars.org

اور ماں کی مامتا کے سوتے پھوٹنے لگتے ہیں۔ نتیجہ میں بالکل اپنی جیسی جیتی جاگتی تصویر بنالیتا ہے۔ یہ تصویر بھی انسانی مشین کا کل پرزہ ہے اور اس پرزے کی فیڈنگ کے لئے ایک آٹومیٹک نظام جاری وساری ہے۔آدم زاد اس تصویر کو زندہ اور متحرک رکھنے کے لئے وسائل کی تلاش کرتا ہے اور وسائل کی تلاش میں اتنا آگے بڑھ جاتا ہے کہ اس سے خود آگاہی منحرف ہو جاتی ہے۔

تصویر کو اللہ تعالیٰ نے اولاد اور وسائل کو اموال کہا ہے۔اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق مال اور اولاد انسان کے لئے فتنے ہیں۔ کیسی عجیب بات ہے اللہ تعالیٰ مال اور اولاد کو فتنا کہتا ہے۔اور بندہ اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ ،اپنی پوری صلاحیتوں کے ساتھ ،اپنی پوری دانائی کے ساتھ اس فتنے سے قریب ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مال اور اولاد کو فتنہ کیوں کہا؟

یاد رکھئے !ہر وہ چیز جو عارضی ہے۔ حقیقت نہیں ہوتی اور جو چیز حقیقی نہیں وہ حق سے قربت حاصل نہیں کرسکتی مال ہو یا اولاد یہ سب عارضی اور غیر حقیقی تصویریں ہیں۔بندہ جب ان عارضی اور غیر حقیقی تصویروں کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیتا ہے تو یہ سب اس کے لئے مصیبت اور فتنہ بن جاتی ہے۔

☆☆☆☆☆

www.ksars.org

KSARS

مائی صاحبہ

سرو قد، لالہ رخسار، غزال چشم، غنچہ دہن، کتابی چہرہ، صراحی دار گردن، بال ایسے جیسے چاندی کے تار، معطّر معطّر، خراماں خراماں ایک مائی صاحبہ تشریف لائیں۔ کمرے میں قدم رکھا تو جھماکہ ہوا اور آنکھوں کے سامنے قوسِ قزح کے رنگ بکھر گئے۔ مائی صاحبہ نے مخمور نگاؤں سے مجھے دیکھا اور بولیں۔ ''بیٹا! تجھے دیکھنے کی تمنا تھی سو پوری ہو گئی۔''

حیرت زدہ آنکھیں اور کھوئے کھوئے باغ سے میں نے پوچھا۔ ''آپ کا نام کیا ہے، کون ہیں آپ اور کہاں سے آئیں ہیں؟''

ملکوتی تبسم کے ساتھ گویا ہوئیں۔ ''میرے دو نام ہیں۔ ایک نام مفروضہ اور فکشن ہے اور دوسرا نام مفروضہ اور فکشن حواس کے برعکس ہے۔''

میں نے نام کی تعریف ایسی کبھی سنی نہ تھی۔ حیرت و استعجاب سے پوچھا۔ ''کیا نام بھی غیر حقیقی ہوتے ہیں؟ نام تو پہچان کا ایک ذریعہ ہے۔''

کچھ عجیب انداز سے خلا میں گھورتے ہوئے بولیں۔ ''تمہارا نام کب رکھا گیا تھا؟''

میں نے موذبانہ لہجے میں عرض کیا۔ ''جب میں پیدا ہوا تھا۔''

ہنستے ہوئے کہا۔ ''کیا تم وہی ہو جو پیدا ہوئے تھے؟ کیا تمہارا ایک ایک عضو بدل نہیں گیا؟ کیا تم پنگوڑے سے باہر آکر زمین پر دندناتے نہیں پھرتے ہو، جب تم پیدا ہوئے تو تمہارے ہاتھ اتنے ہی بڑے تھے جتنے اب ہیں اور اپنے قد کاٹھ کے بارے میں کیا رائے ہے؟''

خفت اور ندامت کے ساتھ میں خاموش ہو گیا۔ تجسس نے مجبور کیا تو پھر پوچھا۔

''آپ کون ہیں؟"

بولیں ''میرے دو وجود ہیں۔ ایک وجود پر لمحہ، ہر آن موت وارد ہوتی رہتی ہے۔ جس لمحہ موت وارد ہوتی ہے اسی لمحہ ایک نیا وجود تشکیل پاتا ہے۔ میرا یہ وجود لمحہ بہ لمحہ موت اور لمحہ بہ لمحہ حیات ہے۔ میرا دوسرا وجود وہ ہے جس پر لمحات، گھنٹے، دن اور ماہ و سال اثر انداز ہی نہیں ہوتے۔ نہ تو وہ پیدا ہوتا ہے اور نہ مرتا ہے۔''

www.ksars.org

مائی صاحبہ کی زبانی یہ اسرار ورموز کی باتیں سن کر میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ یہ کوئی بڑی عالم فاضل عورت ہیں۔ یامظہر العجائب! میرے دماغ میں جیسے ہی یہ خیال وارد ہوا۔مائی صاحبہ بولیں۔ ''نہیں بیٹا نہیں۔ میں عالم فاضل نہیں ہوں مجھے تو خط بھی لکھنا نہیں آتا، میں خواجہ غریب نوازؒ کی داسی ہوں۔''

''آپ خواجہ غریب نوازؒ کی داسی ہیں! آپ کا قیام کہاں ہے ؟''

''بیٹا! قیام مقام سے ہوتا ہے۔ میرے دو مقام ہیں۔ایک مقام ٹائم اسپیس میں بند ہے۔ میں اس مقام میں خود کو پابند اور مقید محسوس کرتی ہوں۔چند میل بھی اگر سفر کرنا پڑے تو وسائل کی محتاجی ہے۔ میرا دوسرا مقام وہ ہے جہاں میں وسائل کی محتاج نہیں ہوں، وسائل میرے پابند ہیں۔''

قیام اور مقام کی یہ فکر انگیز گفتگو سن کر میری کیفیت کچھ ایسی ہو گئی جیسے کسی ساٹھ سالہ کسان کے سامنے ایٹمی فارمولا بیان کیا جا رہا ہو۔

مائی صاحبہ نے جب دیکھا کہ بچہ نروس ہو گیا ہے تو دو قدم آگے بڑھیں اور میرے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔ ابھی ان کا شفقت بھرا ہاتھ میرے سر پر ہی تھا کہ بچوں نے شور مچا دیا "دادی آگئیں، دادی آگئیں!" دادی نے بھی اپنے معصوم پوتوں اور پوتیوں کو کلیجے سے لگایا اور ڈھیروں دعائیں دیں۔

بڑی بیٹی نے گلے میں ہاتھ ڈال کر کہا۔ ''دادی! کچھ اپنی زندگی کے بارے میں بتائیں۔'' مائی صاحبہ تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گئیں۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور انہوں نے اپنی آپ بیتی اس طرح بیان کی۔

''میرا نام جیوتی تھا۔ عمر ہو گی کوئی چودہ سال۔ ماں باپ نے پھیرے کر دایئے۔ ابھی دلہن کے خواب پورے بھی نہیں ہوئے تھے کہ پتی روٹھ گیا۔ سسرال والوں نے مجھے ستی کرنے کے مشورے شروع کر دیئے۔ میرے کانوں میں بھنک پڑ گئی۔ میں گھپ اندھیری رات میں سسرال کے گھر سے میکے پہنچی۔ ماتاجی نے مجھے سینے سے لگایا۔ لیکن میرا باپ مذہبی آدمی تھا۔ اس نے اس طرح آنا پسند نہیں کیا۔ جب تین پہر رات ڈھل گئی تو ماں نے گھر کے پچھلے دروازے سے مجھے باہر کر دیا۔ میں دوڑتی رہی، دوڑتی رہی یہاں تک کہ افق سے سورج نمودار ہوا۔ درختوں کے ایک جھنڈ میں دن بھر پڑی روتی سسکتی رہی اور اپنے مقدر کو کوستی رہی۔ سورج نے جیسے ہی رات کے پردے میں اپنا چہرہ چھپایا، میں منزل کا تعین کئے بغیر پھر دوڑنے لگی۔ لہولہان پیروں، نحیف و نزار جسم اور خشک حلق کے ساتھ نہ معلوم کس طرح خواجہ غریب نوازؒ کے دربار میں جا پہنچی۔ ڈر اور خوف کا غلبہ اتنا تھا کہ مزار میں جا کر اندر سے جا کر میں نے اندر سے کنڈی لگالی اور خواجہ صاحبؒ کی لحد سے لپٹ کر لیٹ گئی۔ ایسا سکون ملا لگتا تھا کہ میں دو تین سال کی بچی ہوں اور خواجہ غریب نوازؒ کی قبر ماں کی گود ہے۔ ادھر میں سرور کی کیفیت سے سرشار تھی۔ اُدھر باہر کہرام مچ گیا کہ کون دیوانی

www.ksars.org

اندر گھس گئی ہے۔ لوگ چیختے رہے، چلاتے رہے، دروازہ پیٹتے رہے مگر میں سکون کی وادی میں تھی۔ مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا بالآخر قرار آیا اور میں نے دروازہ کھول دیا اور پھر وہاں جھاڑو دینے کی خدمت پر معمور کر دی گئی۔ پاکستان بنا تو میں اپنی ہی جیسی ایک عورت پر عاشق ہو گئی اور اس خاتون کے ساتھ پاکستان آ گئی۔‘‘

چھوٹی بیٹی نے پوچھا۔ ’’دادی اماں! ہمارے گھر کا پتہ آپ کو کس نے بتایا؟‘‘

مائی صاحبہ نے بہت زور کا قہقہہ لگایا اور فرمایا۔ ’’بیٹی! جس بندے کو اپنے اصلی مالک کا پتہ مل جاتا ہے اس کے لئے کوئی پتہ، کوئی ٹھکانہ، کوئی مقام، ڈھونڈنا مشکل نہیں ہوتا۔‘‘

سبحان اللہ! کیسا سعید دن تھا کہ سارے دن انوار کی بارش برستی رہی۔ درودیوار میں سے رنگ رنگ روشنیاں پھوٹتی رہیں۔ ایسا سماں تھا جس کو صرف محسوس کیا جا سکتا ہے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ رات کو رخصت ہوتے وقت میں نے مائی صاحبہ کی قدم بوسی کی، ان کے نرم و جھاگ سے ملائم ہاتھوں کو چوما، آنکھوں سے چھوا اور بے قرار دل کے ساتھ کہا۔ ’’مائی صاحبہ! کوئی نصیحت کریں۔‘‘

مائی صاحبہ ایک دم آسمان کی طرف دیکھنے لگیں اس طرح کہ پلکوں کا ارتعاش رک گیا۔ ڈھیلوں کی حرکت ساکت ہو گئی۔ لگتا تھا ذہن اور دماغ دونوں کسی نادیدہ نقطہ پر مرکوز ہیں۔ ہم سب بے خود اماں کے استغراق اور تجلی سے معمور چہرے کو تکتے رہے۔ ایک بلند آواز گونجی۔ "بیٹا ___ !"

انگشت شہادت کھلی، ہاتھ آسمان کی طرف بلند ہوا اور زبان سے یہ الفاظ نکلے۔

’’بیٹا___ ! رب راضی تو سب راضی۔‘‘

*****

www.ksars.org

جاودانی زندگی

علم خیال سے اُس پار عالم برزخ سے روح گزر کر جب بچے کے روپ میں اپنا مظاہرہ کرتی ہے تو اس بچے کی پہلی استاد وہ ہے جو بچے کو نہلا دھلا کر سفید جھاگ جیسے کپڑے میں ملفوف کرتی ہے۔ پھر اس کے بعد استاد کے فرائض ماں سنبھال لیتی ہے۔ ماں کی مامتا بچے کو سب سے پہلے صفائی کا تصور دیتی ہے۔ صفائی کے ایک لامتناہی نظام کے ساتھ ساتھ ماں بچے کی شعوری سطح پر باپ کا تصور ابھارتی ہے۔ یہ تصور گہرا ہوتا ہے تو بچے کے دماغ میں ننھے سے دماغ کے ننھے خلیوں میں دادا، دادی اور نانا، نانی کی تصویریں منعکس ہونے لگتی ہیں۔ اور پھر ماں کے ساتھ باپ اور خاندان کے قریبی افراد مل جل کر بچے کے استاد کے فرائض سرانجام دیتے ہیں ۔ جس قسم کے استاد ہوتے ہیں وہی بچے کی طرز فکر بن جاتی ہے۔ طرزِ فکر کی گہرائی بچے کی شخصیت کا تعین کرتی ہے۔ افراد خاندان کبر و نخوت، احساس برتری کے کردار ہوتے ہیں۔ تو بچہ بھی ان کرداروں کا اثر قبول کرتا ہے۔ خاندان کے بڑے چھوٹے اخلاص محبت اور ایثار کے پیکر ہوتے ہیں تو بچے کے اندر میکانکی طور پر خلوص، محبت، اخوت، حلم و بردباری کے جذبات ابھرتے رہتے ہیں ، طرز فکر کی بھٹی میں آدمی جل کر راکھ بن جاتا ہے اور طرز فکر کی بھٹی میں آدمی کندن بھی بن جاتا ہے۔

میرا بچپن۔۔۔ پوری ایک داستان ہے فکشن ایک داستان نہیں حقیقی کرداروں کے ساتھ داستان ______ پیدا ہوا تو ایک نہایت بلند شخصیت نے کھجور چبا کر منہ میں ڈالی۔ بڑا ہوا، مکتب میں بٹھا دیا گیا۔ قرآن پڑھنے والے استاد حسن و جمال سے بے بہرہ تو تھے ہی اور حسن اخلاق بھی یہ تھا کہ کھال اور ہڈیاں ماں باپ کی، اور باقی سب کچھ حافظ جی کا۔ پٹتے گئے مضروب ہڈیوں کے ساتھ قرآن پاک کے نورانی الفاظ جس میں معنی مفہوم نہیں تھا دماغ کی سلیٹ پر نقش ہو گئے پھر ایسا ماحول ملا جہاں ہر طرف دین کا چرچا تھا لباس پر، وضع قطع پر بھی ایک مخصوص لبادہ تھا۔ گھر کا عالم یہ تھا کہ ماں بچاری سہمی ہوئی ڈری ہوئی ایک ہستی تھی۔ اس کی اپنی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ ایک مشین تھی جو نامعلوم کسی ایندھن کے زور پر چل رہی تھی۔ یہ مشین کبھی پتھر کے دو پاٹوں پر آٹا پیستی تھی، کبھی اوکھلی میں دھان ڈال کر ان کے اوپر موسل برساتی تھی۔ یہ مشین گھر میں اس طرح چلتی پھرتی تھی گویا اس کا کام ہی ہر وقت چلنا ہے اور کچھ نہ کچھ کرتے رہنا ہے۔ ماں کی مہربانی سے نوالہ تو سونے کا ملتا تھا مگر دیکھا شیر کی نظر سے جاتا تھا۔۔۔ شیر کی نظر کیا ہوتی ہے ؟ شیر جب اپنی خونی آنکھوں سے دیکھتا ہے آدمی کا سب کھایا پیا ختم ہو جاتا ہے اور برسوں کی جمع شدہ کیلوریز آن واحد میں راکھ کا ڈھیر بن جاتی ہیں۔

www.ksars.org

ستر سال، اسی سال، نوے سال کے بوڑھوں کے اندر یقین کا حال یہ تھا کہ جب ان سے یہ کہا جاتا تھا تم جنتی ہو انہیں کرنٹ سا لگ جاتا وہ التجا آمیز نظروں اور منت پذیر لہجے سے کہتے کہ خدا کرے تمہارا کہا سچ ہو۔ انہیں اپنی عبادتوں ریاضتوں پر اتنا بھی یقین نہیں تھا کہ جتنا عام آدمی کو عام آدمی پر ہوتا ہے۔

بے یقینی کے اس ماحول میں پرورش پا کر میں شعور کی اس منزل پر پہنچا جہاں آدمی اپنے لئے کچھ فیصلے کرتا ہے اس کی سمجھ میں آنے لگتا ہے کہ ماضی ہی سب کچھ نہیں مستقبل بھی ایک ضرورت ہے۔ بے یقینی کے اس دور سے نکل کر یقین کے راستوں کی تلاش ہوئی۔ ذہن میں خیال وارد ہوا یقین وہاں ملے گا جہاں خوف نہیں ہوگا۔ یقین کی دولت وہاں سے ملے گی جہاں غم نہیں ہوگا۔۔۔ قصہ مختصر خوف اور غم سے نجات یافتہ گروہ کی تلاش میں برسوں بیت گئے۔ پرکھ کا ایک ہی زاویہ سامنے تھا کہ اللہ کے دوستوں کو خوف اور غم نہیں ہوتا۔ سترہ سال کی عمر سے چھبیس سال تک اللہ کے ایسے دوستوں کی تلاش میں سرگرداں رہا جس کو اللہ کے ارشاد کے مطابق غم اور خوف نہ ہو۔ کرامات دیکھیں، کشفِ حال اور کشفِ قبر کے قصے سنے۔ ایسے حضرات سے وابستگی ہوئی کہ ان کے ایک اشارے سے روحیں سامنے آگئیں۔ ایسے قدسی نفس لوگوں سے ملاقات ہوئی جن کے ایک ایک لمحے پر شریعت مطہرہ کی چھاپ تھی۔ مگر ایسے بندے تک رسائی نہیں ہوئی جس کے اندر خوف اور غم نہ ہو۔ جب دل گداز سے معمور ہو گیا، آنکھیں آنسو سے لبریز رہنے لگیں۔ دماغ یکسوئی کی طرف مائل ہوتا چلا گیا تو اللہ کا وعدہ پورا ہوا۔

"اور وہ لوگ جو اللہ کے لئے جہد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اپنے راستوں کی ہدایت بخشتا ہے۔"

خوش نصیب ایک مرد آزاد ملا، ایسا آزاد بندہ کہ اس کے اوپر غم اور خوف کے بادل کبھی سایہ نہیں کرتے وہ لوگ جو غمگیں اور خوف زدہ رہتے ہیں جب ایسے بندے کی مجلس میں جا بیٹھتے ہیں تو ان کے اوپر سکون وراحت۔ مسرت اور خوشی کی بارش برسنے لگتی ہے۔

یہ آزاد مرد۔۔۔

قلندر بابا اولیاءؒ ہیں۔ قدرت نے جن کو پیار محبت سے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا ہے۔ اس آزاد مرد نے طرز فکر کی بھٹی میں ڈال کر وہ تمام بت پاش پاش کر دیئے جو ماحول سے ورثہ میں ملے تھے۔۔۔ بے یقینی کا بت، بھوک افلاس سے خوف کا بت موت کے ڈر کا بت، عزت و بے عزتی کا بت۔۔۔ اندر (INNER) میں بسنے والی طلسماتی دنیا زیر وزبر کر دی گئی اور یقین کا ایک ایسا پیٹرن بنا دیا جہاں نظر اللہ کے سوا کچھ نہیں دیکھتی۔ دل اللہ کے سوا کسی اور چیز کو محسوس نہیں کرتا جہاں علمِ بے عمل جہالت ہے اور جہاں بے یقینی شرک ہے اور یقین جاودانی زندگی ہے۔

*****

www.ksars.org

ماضی اور مستقبل

جب ہم زندگی کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمارے سامنے ایک ہی حقیقت آتی ہے کہ آدم کا ہر بیٹا اور حوا کی ہر بیٹی خوش رہ کر زندگی گزارنا چاہتے ہیں لیکن زندگی کا مادی نظریہ ہر قدم پر انہیں مایوس کرتا ہے اس لئے کہ ہماری زندگی کا ہر ہر لمحہ فانی اور متغیر ہے ۔مادی اعتبار سے ہمیں یہ بھی علم نہیں ہے کہ سچی خوشی کیا ہوتی ہے اور کس طرح حاصل کی جاتی ہے۔ حقیقی مسرت سے واقف ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی اصل بنیاد (BASE) کو تلاش کریں۔

جب ہم کچھ نہیں تھے تو کچھ نہ کچھ ضرور تھے۔اس لئے کہ کچھ نہ ہونا ہمارے وجود کی نفی کرتا ہے۔ہماری مادی زندگی ماں کے پیٹ سے شروع ہوتی ہے اور یہ مادہ جب ایک پروسیس سے گزر کر اپنی انتہاء کو پہنچتا ہے تو ایک جیتی جاگتی تصویر عدم سے وجود میں آجاتی ہے ماحول سے اس تصویر کو ایسی تربیت ملتی ہے کہ اسے اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ سچی خوشی حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے اور کس طرح یہ سچی خوشی حاصل ہوتی ہے۔

حقیقی مسرت سے ہم آغوش ہونے کے لئے انسان کو سب سے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ زندگی کا دارو مدار صرف جسم پر ہی نہیں ہے بلکہ اس حقیقت پر بھی ہے جس حقیقت نے خود اپنے لئے لباس بنالیا ہے۔پیدائش کے بعد زندگی کا دوسرا مرحلہ ہمارے سامنے یہ آتا ہے کہ ہمارا ہر ہر لمحہ مرتا رہتا ہے اور ہر لمحے کی موت دوسرے لمحے کی پیدائش کا ذریعہ بن رہی ہے۔یہی لمحہ کبھی بچپن، کبھی لڑکپن، کبھی جوانی اور کبھی بوڑھاپے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

ہم اس حقیقت تک رسائی اس طرح حاصل کر سکتے ہیں کہ ہم یہ جان لیں کہ جیتی جاگتی تصویر ایک جسم نہیں بلکہ ایک شعور ہے۔ ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہم اسے بالکل شعور بھی نہیں کہہ سکتے کیوں کہ شعور ہماری پہچان کا ایک ذریعہ ہے جس کے اوپر ساری عمارت کھڑی ہوئی ہے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ جسم کے ختم ہونے پر مادی کثافت اور آلودگی ختم ہو جاتی ہے لیکن یہ بات بھی ہمارے سامنے ہے کہ جسم کے ختم ہونے کے بعد شعور فنا نہیں ہوتا بلکہ شعور کسی دوسرے عالم میں منتقل ہو جاتا ہے جتنی آسمانی کتابیں ہیں۔ان سب میں ایک ہی بات کا بار بار تذکرہ کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی صرف مادی جسم نہیں بلکہ ایک شعور ہے ۔ہم جب پیدائش سے موت تک کی زندگی کا تذکرہ کرتے ہیں تو یہ جان لیتے ہیں کہ جس شعور کی بنیاد ماں کے پیٹ میں پڑی تھی وہ شعور ایک طرف گھٹتا رہتا ہے اور دوسری طرف بڑھتا رہتا ہے۔ جیسے جیسے شعور گھٹتا ہے آدمی ماضی میں جاتا رہتا ہے اور جیسے جیسے شعور بڑھتا ہے آدمی مستقبل میں قدم رکھتا ہے۔ شعور کا گھٹنا بڑھنا عمر کا تعین کرتا ہے۔شعور کے ایک زمانے کو" بچپن"

www.ksars.org

کہتے ہیں، شعور کے دوسرے زمانے کو"جوانی "اور شعور کے تیسرے زمانے کو"بڑھاپا" ۔ بالآخر جو شعور اس مادی زندگی کو قائم رکھے ہوئے ہے اور جس شعور پر یہ جسم ارتقائی منازل طے کر رہا ہے وہ قائم رہتا ہے۔

ہم جب اپنے آپ کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک محدود اور فنا ہونے والا جسم ہے اور یہی ہماری زندگی کی پہچان ہے۔ یہ جسم جو ہمیں نظر آتا ہے اس کے اجزائے ترکیبی کثافت، گندگی، تعفن اور سڑاند ہیں۔اس سڑاند کی بنیاد اس نظریہ پر قائم ہے کہ ہر آدمی سمجھتا ہے کہ میں مادہ ہوں اور میں اس مادی دنیا کی پیدائش ہوں۔ یہ محدود نظریہ ہر آدمی کو کسی مقام میں محدود کر دیتا ہے۔اور ہر آدمی ایک محدودیت کے تانے بانے میں خود کو گرفتار کر لیتا ہے اور اس طرح محدود اور پابند نظریے کی بنیاد پڑ جا تی ہے زمین پر بسنے والا ہر آدمی جب اپنا تذکرہ کرتا ہے تو کہتا ہے میں مسلمان ہوں، میں ہندو ہوں، میں پارسی ہوں، میں عیسائی ہوں حالانکہ روح کا کوئی نام نہیں رکھا جا سکتا۔ روشنی ہر جگہ روشنی ہے چاہے وہ عرب میں ہو، عجم میں ہو یا یورپ میں ہو یا ایشیاء کے کسی حصے میں۔

اللہ کا نظام کچھ اس طرح قائم ہے کہ اس دنیا میں جو اللہ کا پیغام آیا وہ اپنے الفاظ کے ساتھ قائم ہے۔ عیسائیوں کے لئے بائبل کے الفاظ مذہب کا درجہ رکھتے ہیں۔اور مسلمانوں کے لئے قرآن مذہب کا پیش رو ہے۔ ہندو بھگوت گیتا کے الفاظ کی عبادت کرتے ہیں۔

سب آسمانی کتابیں دراصل خدا کے برگزیدہ بندوں کی وہ آوازیں ہیں جو روشنی بن کر تمام عالم میں پھیل گئی ہیں۔

*****

www.ksars.org

خاکی پنجرہ

یہ کون نہیں جانتا کہ زندگی ماضی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔دانشور اور مفکرین زمانہ کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ماضی، حال اور مستقبل۔ماضی گزرا ہوا زمانہ، حال موجود زمانہ اور مستقبل آنے والا زمانہ۔۔۔لیکن جب ایک باشعور آدمی زندگی کا تجزیہ کرتا ہے تو اسے ماضی کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا یہ تجزیہ طبعی تقاضوں کا ہو، نفسیاتی پہلو سے ہو یا روحانی نقطہ نظر سے ہو۔ہم جب بچے کی پیدائش کا تذکرہ کرتے ہیں تو دراصل یہ کہتے ہیں بچہ کہیں موجود تھا، وہاں سے اس دنیا میں منتقل ہوا۔خوبصورت، تنومند اور رعنائیوں سے بھرپور۔کسی نوجوان کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو اس کا مفہوم بھی یہی ہوتا ہے کہ کل کا بچہ آج جوانی کے روپ میں موجود ہے ۔ہم جب عقل و شعور اور تجربہ کی بات کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اس بزرگ کا تجربہ ساٹھ سال کے ماہ و سال پر پھیلا ہوا ہے تب بھی ہمارا منشاء یہی ہوتا ہے کہ اس بوڑھے کے ساٹھ سال ماضی میں دفن ہیں نوع انسانی جب اپنے اسلاف کے ورثے کا تذکرہ کرتی ہے تو بھی یہی کہا جاتا ہے کہ انسانی شعور نے بتدریج ترقی کی ہے۔ایک زمانہ تھا کہ وہ پتھر کی تہذیب میں خود ساختہ قید و بند کی زندگی گزار رہا تھا۔پھر وہ وقت آیا کہ آدم زاد نے کسی طرح آگ کا استعمال سیکھ لیا۔ایک جست اور لگائی تو لوہے کے زمانے میں داخل ہو گیا۔لوہے کی اور مختلف دھاتوں کی تہذیب نوع انسانی کا ورثہ قرار پائی۔عالم شعور کی وادی میں قدم رکھنے کے بعد انسان کے اندر تفکر کا پیٹرن (pattern) بنا۔اس کا نام جدید تہذیب یا سائنسی ترقی رکھا گیا۔ایک کھرب سال کی پرانی تاریخ ہو یا آج کے سائنسی علوم ان سب کی بنیاد دستاویز (RECORD) پر ہے اور یہ سارا ریکارڈ ماضی ہے. ماضی کیا ہے, زمانہ ہے۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد عالی مقام ہے زمانے کو نظر انداز نہ کرو. زمانہ اللہ ہے۔انسان جس کو حال اور مستقبل کہتا ہے وہ دراصل زندگی گزارنے کا ایک مسلسل اور متواتر عمل ہے۔زندگی کے اس عمل میں دو طرزیں متعین کی گئی ہیں۔انسان زندگی کی ایک طرز کا نام سکون رکھتا ہے اور زندگی کی دوسری طرز کو بے سکونی، درماندگی، پریشاں حالی، اضطراب، خوف اور بے چینی کا نام دیتا ہے۔لیکن جب ہم نفسیاتی طور پر ان دونوں طرزوں کا تفکرانہ انداز میں مطالعہ کرتے ہیں تو صرف اور صرف ایک ہی بات مشاہدے میں آتی ہے کہ ان دونوں طرزوں کا تعلق بھی براہ راست ماضی سے ہے۔آج کی پریشانی اگر ماضی نہ بن جائے تو انسان اس پریشانی کے ہاتھوں مخبوط الحواس ہو جائے گا، اس کے اوپر پاگل پن کے دورے پڑنے لگیں گے۔آدم اور حوا کی نسل میں اگر ایک ہی کیفیت مستقل ہو جائے تو زندگی منجمد ہو جائے گی، اس لئے کہ کائنات کی تخلیق اس فارمولے پر عمل میں آئی ہے کہ زندگی ایک حرکتِ دوام ہے۔ باالفاظ دیگر حرکت ہی زندگی کا نام ہے حرکت رک جائے گی تو کائنات تھم جائے گی۔رات دن کے مشاہدات زندگی کی ان طرزوں کو ہمارے اوپر آشکارا کرتے ہیں۔ گرمی کے ساتھ سردی، سردی کے ساتھ گرمی صحت کے ساتھ بیماری، بیماری کے بعد صحت، پیدائش اور موت کا سلسلہ بھی اسی فارمولے (equation) پر قائم ہے۔

www.ksars.org

ہم جب یہ کہتے ہیں کہ فلاں آدمی مر گیا تو دراصل کہنا یہ چاہتے ہیں کہ فلاح آدمی کا کردار فلاں آدمی کی زندگی یا فلاں آدمی کی آواز ایک دستاویز ریکارڈ بن گئی۔ مطلب یہ ہے کہ جو آدمی مر گیا وہ ماضی میں چلا گیا۔ جب ہم اپنے اسلاف کا تذکرہ کرتے ہیں (اسلاف میں آدم سے لیکر اپنے آباؤ اجداد سب شامل ہیں) تو دراصل ماضی کا تذکرہ کرتے ہیں۔ جس طرح آج ہم اپنے آباؤ اجداد کو ماضی کہہ رہے ہیں کل اسی طرح ہماری نسل ہمارا تذکرہ ماضی کے نام سے کرے گی۔

ماضی ہماری ابتداء ہے ماضی ہی ہماری زندگی کا پورا ریکارڈ ہے۔

کسی سو سولہ بزرگ کے دماغ سے اگر بچپن، لڑکپن اور جوانی کے ماضی کو حذف کر دیا جائے تو یہ بوڑھا بزرگ کیا رہے گا۔ اے عقل والوں ذرا غور کرو۔۔۔

جس طرح سو سالہ زندگی ریکارڈ اور ماضی ہے اسی طرح جب اس خاکی پنجرے پر موت واقع ہوتی ہے تو خاکی جسم کی ساری زندگی ماضی بن جاتی ہے۔ فلسفیانہ طرزوں سے ہٹ کر جب ہم حقیقت یعنی روحانی علوم میں تفکر کرتے ہیں تو ہمارے اندر میں ایک دروازہ کھلتا ہے۔ اس دروازے میں سے قرآن پاک کے انوار لہروں کی شکل میں ہمارے دماغ پر نازل ہوتے ہیں اور یہ لہریں قرآن پاک کے الفاظ ہمیں یہ پیغام سناتی ہیں۔

''اور آپ کیا سمجھے اعلیٰ زندگی کیا ہے اور آپ کیا سمجھے اسفل زندگی کیا ہے۔ یہ ایک ریکارڈ ہے۔''

علم حقیقت ہماری راہنمائی کرتا ہے کہ اگر ہم خود سے اور اپنے خالق سے متعارف ہونا چاہتے ہیں تو ہمارے اوپر لازم ہے کہ ہم اپنے ماضی میں جھانکیں ماں کے پیٹ میں آنے سے پہلے بچہ عالم برزخ میں تھا عالم برزخ لوح محفوظ کا ایک عکس ہے۔ لوح محفوظ کتاب المبین کا ایک ورق ہے۔ کتاب المبین عالم ارواح ہے اور عالم ارواح وہ عالم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب ''کن'' کہا تھا تو اس کا ظہور ہو گیا تھا۔ مرنے کے بعد کی زندگی دراصل اسی عالم ارواح کی طرف پیش قدمی ہے۔ نوع انسانی کے جو افراد اس زندگی کو دیکھنے، سمجھنے اور تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق ان کو ایسی نظر اور بصیرت مل جاتی ہے جو اس عالم کو دیکھ لیتی ہے، سمجھ لیتی ہے۔

*****

www.ksars.org

اسٹیم

مطالعہ کائنات کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن میں وضو، نماز، صوم و زکوٰۃ، حج، طلاق، قرض وغیرہ پر ڈیڑھ سو آیات ہیں۔ تسخیری فارمولوں اور مطالعہ کائنات کے متعلق سات سو چھپن آیاتیں ہیں۔ قرآن پاک ہمیں زمین کے اندر معدنیات اور پہاڑوں کے اندر خزانوں سے مستفید ہونے کا درس دیتا ہے۔ قرآن کا دعویٰ ہے کہ اس کتاب میں چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی ہر بات وضاحت کے ساتھ بیان کر دی گئی ہے۔ لیکن مسلمان نے جب اس کتاب کو محض حصولِ مقصد کا واسطہ اور آفات وبلیات سے نجات کا ذریعہ سمجھ لیا ہے اس کتاب کے اندر تسخیری فارمولوں اور کائناتی اسرور موز سے محروم ہو گیا ہے۔ قرآن پاک کا دعویٰ ہے کہ دین مکمل کر دیا گیا ہے یعنی نوع انسانی کی معاشرتی، علمی، اخلاقی اور روحانی ترقیوں کے اصول و قواعد کھول کھول کر قرآنِ حکیم میں لکھ دیئے گئے ہیں۔ قرآنِ پاک نوع انسانی کا ورثہ ہے۔ نوع انسانی میں جو قوم اس ورثہ سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہے، قرآن اس کی رہنمائی کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''ہم نے لوہا نازل کیا اور اس میں نوعِ انسانی کے لئے بے شمار فائدے محفوظ کر دیئے ہیں۔ ''

جس قوم نے قرآنی اعلان پر تفکر کر کے کوشش اور جدوجہد شروع کی وہ کامیاب ہوتی رہی اور آج بھی کامیاب ہے۔ اہلِ یورپ لوہے، تانبے اور زمین کے اندر خزانوں کی تلاش میں جب سرگرداں ہوئے تو قانونِ قدرت کے مطابق ان کے اوپر زمین کے خزانوں نے خود اپنی افادیت ظاہر کرنا شروع کر دی۔ اور انہوں نے لوہے، تانبے اور دیگر دھاتوں کے مرکب سے ایسی ایجادات میں کامیابی حاصل کر لی کہ وہ اقوامِ عالم میں ممتاز ہو گئے۔ ہواؤں میں اُڑنا زندگی کا معمول بن گیا۔ سمندروں اور دریا کی سطح پر تیرنا دو ہزار لاکھوں ٹن سامان ادھر سے ادھر پہنچنا ایک عام بات بن گئی۔ ان کی ذہنی کاوشوں سے زمین کے فاصلے سمٹ گئے۔ دنیا کی خبریں اس کونے سے اس کونے تک پہنچنے لگیں۔ اسٹیم اور بھاپ کی دریافت سے ریل گاڑیوں کا نظام قائم ہوا۔ زمین کے اندر سے گیس اور پٹرول نکلا تو موٹر کاریں زمین پر دوڑنے لگیں۔ لاسلکی نظام کے تحت دور دراز رہنے والوں، رشتہ داروں، پیارے دوست ایک دوسرے کے قریب آ گئے۔ انہوں نے بادوباراں کے نظام سے باخبر ہو کر ایسے انکشافات کئے کہ جن سے اللہ کی مخلوق حوادث سماوی سے محفوظ رہ سکے۔

یہ سب اس لیے ہوا کہ ان مفکرین اور دانشواروں نے صحیفہ کائنات کے مطالعہ کے بعد اس کے قوانین اور آیات کو اپنی اور نوعِ انسانی کی بہتری کے لئے استعمال کیا۔

www.ksars.org

قرآن باالفاظ بلند فرماتا ہے۔۔۔ ''قرآن تسخیری فارمولوں کی کتاب ہے۔اقوام عالم میں ممتاز ہونے کے لئے اس میں غور کرو، تفکر کرو،اس کو جانو،اس کو پہچانو۔آخر تم لوگ اللہ کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔''

اللہ تعالیٰ کی عظمت، بزرگی اور صناعی کو سمجھنے کے لئے اس کی تخلیق اور نظام ربوبیت میں غور اور تدبر کرو۔

ایجادات و ترقی اور علم و ہنر کا جو سورج آج مغرب میں روشن ہے ، کبھی مشرق میں چمکتا تھا۔اور جب مشرقی اقوام بالعموم اور مسلمانوں نے بالخصوص علم وہنر کے اس سورج سے اپنا رشتہ منقطع کر لیا تو علم وہنر نے بھی مسلمانوں سے اپنا رشتہ توڑ لیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

جو قومیں اپنی تقدیر بدلنے کی کوشش نہیں کرتیں،اللہ بھی ان میں تغیر پیدا نہیں کرتا۔

اللہ کے پھیلائے ہوئے نظام پر غور کرنے سے نظر آتا ہے کہ اس عالمِ رنگ و بو میں دو دنیائیں ہیں۔اور ان دنیاؤں میں جو مخلوق آباد ہے اس مخلوق کے ہر فرد میں چار آنکھیں ہیں، دو دماغ ہیں، دو ناک ہیں، چار ہاتھ ہیں، چار پیر ہیں۔مخلوق کا ہر فرد چھ سمتوں میں قید ہے۔ ہر فرد کے دو رخ ہیں۔ایک ٹھوس، دوسرا لطیف۔زندگی گزارنے کے لئے مکان SPACE ایک ہے اور زمان TIME کا کوئی حد و شمار نہیں ہے۔مکان فرد کو اس کے ہونے کا احساس دلاتا ہے اور زمان TIME یہ بتاتا ہے کہ انسان ساٹھ ہزار حواس سے مرکب ہے اور جب کوئی قوم اپنے ان حواس سے باخبر ہونے کی جدوجہد کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اوپر ترقی اور تعمیر کے دروازے کھول دیتا ہے۔اس کے ذہن پر ترقی وایجاد کے روشن پہلو اور سائنسی علوم نازل ہوتے رہتے ہیں۔اور پھر یہ قوم خلاؤں میں اور زمین پر تصرف کرکے اقوام عالم کے سر کا تاج بن جاتی ہے اور جو قوم تلاش و جستجو، فکر و دانش اور غور و تدبر سے عاری ہوتی ہے وہ زمین پر غلام بن کر اور ذلیل و خوار ہو کر زندگی بسر کرتی ہے۔

*****

www.ksars.org

ایجادات

برائی یا بھلائی کا جہاں تک تعلق ہے کوئی عمل دنیا میں نہ برا ہے نہ اچھا ہے۔ دراصل کسی عمل میں معنی پہنانا اچھائی یا برائی ہے۔ معانی پہنانے سے مراد نیت ہے عمل کرنے سے پہلے انسان کی نیت میں جو کچھ ہوتا ہے وہی خیر یا شر ہے۔

آگ کا کام جلانا ہے۔ ایک آدمی لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے آگ کو کھانا پکانے میں استعمال کرتا ہے تو یہ عمل خیر ہے۔ وہی آدمی اس آگ سے لوگوں کے گھروں کو جلاڈالتا ہے تو یہ برائی ہے۔

جن قوموں سے ہم مرعوب ہیں اور جن قوموں سے ہم دستِ نگر ہیں ان کی طرزِ فکر کا اگر بطور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات سورج کی طرح روشن ہے کہ سائنس کی ساری ترقی کا زور اس بات پر ہے کہ ایک قوم اقتدار حاصل کرے اور ساری نوع انسانی اس کی غلام بن جائے یا ایجادات سے اتنے مالی فوائد حاصل کئے جائیں کہ زمین پر ایک مخصوص قوم یا مخصوص ملک مال دار ہو جائے اور نوعِ انسانی غریب اور مفلوک الحال بن جائے کیوں کہ اس ترقی میں اللہ کے ذہن کے مطابق نوعِ انسانی کی فلاح مضمر نہیں ہے۔ اس لئے یہ ساری ترقی نوعِ انسانی کے لئے اور خود ان قوموں کے لئے جنھوں نے جدوجہد اور کوشش کے بعد نئی نئی ایجادات کی ہیں، مصیبت اور پریشانی بن گئیں۔ مصیبت اور پریشانی ایک روز ادبار بن کر زمین کو جہنم بنادے گی۔

جب تک آدمی کے یقین میں یہ بات رہتی ہے کہ چیزوں کا موجود ہونا یا چیزوں کا عدم میں چلے جانا اللہ کی طرف سے ہے اس وقت تک ذہن کی مرکزیت قائم رہتی ہے اور جب یہ یقین غیر مستحکم ہو کر ٹوٹ جاتا ہے تو آدمی ایسے عقیدے اور ایسے وسوسوں میں گرفتار ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ ذہنی انتشار ہوتا ہے، پریشانی ہوتی ہے، غم اور خوف ہوتا ہے حالانکہ اگر دیکھا جائے تو یہ بات بالکل سامنے کی ہے کہ انسان کا ہر عمل، ہر فعل، ہر حرکت کسی ایسی ہستی کے تابع ہے جو ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ ماں کے پیٹ میں بچے کا قیام، نو مہینے تک نشوونما کے لئے غذا کی فراہمی، دودھ کی غذائیت سے ایک اعتدال اور توازن کے ساتھ بچے کا بڑھنا، چھوٹے سے بچے کا بڑھ کر ساٹھ فٹ کا ہو جانا، جوانی کے تقاضے، ان تقاضوں میں وسائل کی تکمیل، وسائل فراہم ہونے سے پہلے وسائل کی موجودگی۔ اگر اللہ زمین کو منع کردے کہ وہ کھیتیاں نہ اگائے تو حصولِ رزق مفقود ہو جائے گا۔ شادی کے بعد والدین کے دل میں یہ تقاضا کہ ہمارا کوئی نام لینے والا ہو، اس درجے میں انتہائی شدت اور اس کے نتیجے میں ماں باپ بننا، ماں باپ کے دل میں اولاد کی محبت صرف آدمی کے دل میں مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ جذبہ اللہ کی ہر مخلوق میں مشترک ہے اور اسی محبت کے سہارے ماں باپ اپنی اولاد کی پرورش کرتے ہیں، ان کی نگہداشت کرتے ہیں اور ان کے لئے وسائل فراہم کرتے ہیں۔

www.ksars.org

عام طور سے یہ تاثر لیا جاتا ہے کہ محنت جدوجہد کے بغیر وسائل کا حصول ناممکن ہے جب کہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جن وسائل کے حصول کے لیے ہم جدوجہد اور کوشش کرتے ہیں وہ ایک قاعدے اور قانون کے تحت پہلے سے موجود ہیں۔ کسان جب محنت کر کے زمین میں بیج ڈالتا ہے تو اس بیج کی نشوونما سے انسانی ضروریات کے لئے قسم قسم کی غذائیں فراہم ہوتی ہیں۔ یہ سب اس وقت ممکن ہوتا ہے جب پہلے سے وسائل موجود ہوں مثلاً بیج کا موجود ہونا، زمین کا موجود ہونا، زمین کے اندر بیج کو نشوونما دینے کی صلاحیت کا ہونا، بیج کی نشوونما کے لیے پانی کا موجود ہونا، چاندنی کا موجود ہونا، ہوا کا موجود ہونا اور موسم کے لیے لحاظ سے سرد و گرم فضاء کا موجود ہونا، اگر بیج موجود نہ ہو یا زمین کے اندر بیج کو نشوونما دینے کی صلاحیت موجود نہ ہو، پانی موجود نہ ہو، ہوا موجود نہ ہو تو انسان کی ہر کوشش بے کار ہو جائے گی۔

اللہ کا وصف یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو تخلیق کرتا ہے تو اس تخلیق سے اربوں، کھربوں تخلیقات وجود میں آتی ہیں۔ موجودہ دور میں بجلی کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ اللہ کی ایک ذیلی تخلیق بجلی ELECTRICITY ہے۔ اس بجلی کے ذریعے ہزاروں ایجادات منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ اور آئندہ آتی رہیں گی۔ اس صورتِ حال کے پیش نظر ہمارے اوپر یہ راز منکشف ہوتا ہے کہ اللہ نے وسائل اس لئے تخلیق کئے ہیں نوعِ انسانی ان وسائل کے اندر مخفی قوتوں کو تلاش کر کے ان سے کام لے اور جب قوم ان مخفی صلا حیتوں کو تلاش کرنے میں لگ جاتی ہے۔ تو اس کے اوپر اللہ کی طرف سے نئے نئے انکشافات ہوتے ہیں اور جب وہ انکشافات کی رو شنی میں تفکر کرتی ہے تو نئی ایجادات وجود میں آتی رہتی ہیں۔ قلندر شعور ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ کائنات میں جتنی بھی چیزیں ہیں سب دو رخوں پر قائم ہیں۔
تخلیق کا ایک رخ ظاہر ہے دوسرا رخ باطن ہے۔ پانی ایک سیال چیز ہے۔ یہ اس کا ظاہری رخ ہے لیکن جب پانی کے اندر مخفی صلاحیتوں کو تلاش کیا جاتا ہے تو اس کی بے شمار صلاحیتیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ اسی طرح لوہے کی مثال ہے۔ لوہا بظاہر ایک دھات ہے۔ لوہے کے ذرات کے اندر جب کوئی شخص مخفی قوتوں کو تلاش کر لیتا ہے تو نئی نئی اختراعات اور ایجادات کے ادارے اور اختیار سے بنتی رہتی ہیں۔

جب ہم کسی چیز کے اندر اللہ کی صفات تلاش کرتے ہیں تو ہمارے اوپر یہ منکشف ہوتا ہے کہ پوری کائنات موجود ہے۔ کائنات میں جو کچھ بنایا گیا ہے یا زمین میں جو کچھ موجود ہے سب انسان کے لئے تخلیق کیا گیا ہے۔

استغنا سے مراد صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی روپے پیسے کی طرف سے بے نیاز ہو جائے، چونکہ روپے پیسے اور خواہشات سے کوئی بندہ بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ ضروریاتِ زندگی اور متعلقین کی کفالت ایک لازمی امر ہے اور اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ استغنا سے مراد یہ ہے کہ آدمی جو کچھ کرے اس عمل میں اس کے ساتھ اللہ کی خوشنودی ہو۔ اور اس طرزِ فکر یا عمل سے اللہ کی مخلوق کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچے۔ ہر بندہ خود خوش رہے اور نوعِ انسانی کے لئے مصیبت اور آزار کا سبب نہ بنے۔ ضروری ہے کہ بندے

www.ksars.org

کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو کہ کائنات میں موجود ہر شئے کا مالک در وبست اللہ ہے۔ اللہ ہی ہے جس نے زمین کو اور بیج کو یہ وصف بخشا کہ بیج درخت میں تبدیل ہو جائے اور زمین اس کو اپنی آغوش میں پروان چڑھائے، پانی درختوں کی رگوں میں خون کی طرح دوڑے۔ ہوا روشنی بن کر درخت کے اندر کام کرنے والے رنگوں کی کمی کو پورا کرے، دھوپ درخت کے ناپختہ پھلوں کو پکانے کے لئے مسلسل ربط اور قاعدے کے ساتھ درخت سے ہم رشتہ رہے۔ چاندنی پھلوں میں مٹھاس پیدا کرے۔ زمین کی یہ ڈیوٹی ہے وہ ایسے درخت اگائے جو انسان کی ضروریات کو پورا کرے۔ درختوں کی یہ ڈیوٹی ہے کہ وہ ایسے پتے اور پھل پیدا کریں کہ جن سے مخلوق کی ضروریات موسم کے لحاظ سے پوری ہوتی ہیں۔

(کتاب ''قلندر شعور سے اقتباس'')

KSARS
www.ksars.org

بت پرستی

مذہب کے بارے میں جب ہم گفتگو کرتے ہیں تو ابتدائی طور پر جس احساس سے واسطہ پڑتا ہے وہ خوف اور ڈر کا احساس ہے۔ ہمارے رہنماؤں نے اس بات کی پوری پوری کوشش کی ہے کہ مذہب کے سلسلے میں اس احساس کی امتیازی خصوصیت کو متعین کر دیں۔۔۔احساس کی درجہ بندی کی گئی تو کئی طبقے وجود میں آئے۔ایک گروہ کا کہنا ہے کہ____

"ان دیکھی کسی قوت کے محتاج ہونے اور اس پر اپنی زندگی کا انحصار کرنے کا نام احساس ہے۔"

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ۔۔۔

"احساس خوف سے پیدا ہوتا ہے۔"

تیسرا گروہ احساس کا تعلق جنسی زندگی سے جوڑتا ہے۔ چوتھا گروہ کہتا ہے کہ احساس ایک لامحدود اور غیر متغیر ہستی کے احساسات کی انسپائریشن INSPIRATION ہے۔

ایک عام آدمی ان اختلافات کو دیکھتا ہے تو اس کے دل میں لامحالہ یہ شک جنم لیتا ہے کہ فی الواقع احساس کوئی چیز ہے بھی یا نہیں اور شک ایسی بھول بھلیوں میں تبدیل ہو جاتا ہے کہ آدم زاد مذہب سے انکار کر دیتا ہے۔

مذہب کا مضمون اتنا ہمہ گیر اور وسیع ہے کہ اس کی پوری وسعت کا احاطہ کرنے کا دعویٰ ایک لایعنی اور فضول بات ہے لیکن اپنی دانست اور کم شعوری کے دائرے میں رہتے ہوئے اگر مذہب کی تعریف کی جائے تو دو رخ سامنے آتے ہیں۔ مذہب کا ایک رخ شرعی ہے اور دوسرا رخ شخصی یا ذاتی ہے۔ مذہب کی ایک شاخ ایک واحد ہستی کو ماننے کا دعویٰ کرتی ہے اور دوسری شاخ عقلی دلائل اور شخصی توجیہات سے انسانی نفسیات کا ذکر کر کے نظر نہ آنے والی ہستی کا انکار کرتی ہے۔ شخصی مذہب سیاسی مذہب ثابت ہوا ہے اور شرعی مذہب چاہتا ہے کہ عبادت، قربانی اور دیگر شعائر کے تحت ایک ضابطۂ حیات بنا کر ایسی تنظیم قائم کی جائے جہاں پوری نوعِ انسانی ایک پلیٹ فارم پر آجائے۔

شرعی مذہب کے پیروکار خوف کے احساس کے ساتھ ماوراء ہستی کی پرستش کرتے ہیں۔ لیکن وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ماوراء ہستی کو آدمی دیکھ نہیں سکتا۔ ایک اور گروہ جسے صوفیا کہا جاتا ہے اس کا کہنا ہے کہ ماوراء ہستی ہرگز کوئی خوفناک ہستی نہیں ہے۔ یہ ماوراء ہستی ماں سے ستر گنا زیادہ محبت کرتی ہے۔ یہ کبھی مشاہدے میں نہیں آیا کہ ماں نے بچے کو آگ کے الاؤ میں جھونک دیا

www.ksars.org

ہو____اس گروہ کا یہ دعویٰ بھی ہے ہر خاص و عام ماوراء ہستی کو دیکھ سکتا ہے۔اور دنیا میں رائج شماریات سے زیادہ ایسی مثالیں، ایسے واقعات اور کیفیات موجود ہیں جو ہزاروں سال پر محیط ہیں۔

کلیہ یہ ہے کہ ڈر اور خوف دو انسانوں کے درمیان، ایک انسان اور درندہ کے درمیان، ایک انسان اور سانپ کے درمیان دوری اور بُعد کی دیوار کھڑی کر دیتے ہیں۔اس کے متضاد محبت سے قربت کا احساس وجود میں آتا ہے۔

جب دوری واقع ہوتی ہے تو لا محالہ ذہن میں خوف اور وسوسے در آتے ہیں۔ جیسے جیسے قربت کا احساس کم ہوتا ہے، آدم زاد اپنا خوف کم کرنے کے لئے خود اپنے ہاتھوں سے کئی صورتیں بنالیتا ہے اس نقطہ ارتکاز سے بت پرستی شروع ہو جاتی ہے۔بتوں کی موجودگی آدم زاد کے اندر سے حقیقت کے جوہر ختم کر دیتی ہے۔ حقیقت کے جوہر سے محرومی کا نام جادو ہے۔اس مقام سے انسانی نفسیات میں عجیب عجیب شگوفے پھوٹتے ہیں۔ پھر یہ شگوفے اپنی ایک طرزِ فکر اور طرزِ استدلال بنالیتے ہیں اور برملا اس بات کا اعلان ہو جاتا ہے مذہب اور رُوحانیت محض خیالی چیز ہے۔صوفیاء کہتے ہیں اگر اس استدلال کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ مذہب اور روحانی کیفیت محض خیال ہے تو پھر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ لامذہبیت، کفر اور وسوسوں سے معمور احساسات بھی خیالی باتیں ہیں۔صوفیاء حضرات یہ دلیل دیتے ہیں کہ اگر ہم یہ فرض کر بھی لیں کہ روحانیت اور مذہب خیالی تانے بانے پر بنا ہوا ہے۔تو اس حقیقت کو کیسے بھلایا جا سکتا ہے۔کہ ایک مذہبی روحانی آدمی کے اندر سکون ہوتا ہے، قناعت ہوتی ہے، وہ ایسے کام کرتا ہے جن کاموں سے ان کی نوع اور انسانی برادری کو آرام ملتا ہے۔اس کے اندر ایسی غیر مرئی قوتیں پیدا ہو جاتی ہیں جن قوتوں میں عوام الناس کی فلاح مضمر ہے۔اسکے برعکس لامذہب لوگوں کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو باوجود یہ کہ ان کے پاس دنیاوی وسائل کے انبار ہیں مگر ان کے اندر وہ سکون نہیں ہوتا جو ایک روحانی آدمی کے اندر ہوتا ہے۔یہ بات ہر بالغ اور باشعور آدمی کے سامنے ہے کہ جو شخص کمینی حرکت کرتا ہے، اس کی زندگی میں پستی اور ناہمواری داخل ہو جاتی ہے۔ناپاک شئے کو دھویا جائے وہ پاک ہو جاتی ہے۔انصاف پسند شخص کے اندر خدا کا عدل ہوتا ہے۔عدل، انصاف، مروت اور رحم دلی کے نتیجے میں ماوراء ہستی انسان کے اندر داخل ہو جاتی ہے۔

ریاکار اور دھوکے باز شخص، مطلب پرست اور مصیبت ناآشنا شخصیتیں چونکہ خود کو دھوکہ دیتی ہیں۔اس لئے منافقت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے اندر وسوسوں کا عفریت داخل ہو جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں آدم زاد جو فرشتوں کا مسجود ہے، اپنی ذات سے ناآشنا ہو جاتا ہے۔

اہلِ نظر اور بصیرت والے بڑے لوگ کہتے ہیں کہ سیرت کے تاثرات کبھی چھپے نہیں رہتے۔یہ ایک مسلمہ ہے کہ خیرات کرنے والے لوگ کبھی مفلس نہیں ہوتے۔زندگی کے اعمال میں جھوٹ کی تھوڑی سی آمیزش بھی قول و فعل میں تضاد پیدا کر دیتی ہے۔

www.ksars.org

سچ ایک ایسی حقیقت ہے جو زمین کے ایک ایک ذرہ کو منور کرتی رہتی ہے اور زمین کا ایک ایک ذرہ پکار کر اعلان کرتا ہے کہ یہ انسان سچ کا پیامبر ہے۔ کیا کوئی شخص یہ کہنے کی جرات کر سکتا ہے کہ غلط کاری سے اس کے وجود میں کمی واقع نہیں ہوتی۔

آیئے، اس فلسفیانہ بحث کو چھوڑ کر نتیجہ پر غور کریں۔ اللہ، بھگوان، نروان، گاڈ، ایل، ایلیا، ماوراہستی ہر خاص وعام کی سرپرست ہے، نگراں ہے، ابتداء ہے اور انتہا ہے۔ نگراں ذات سے خوف بندہ کو دور عمیق سمندر میں پھینک دیتا ہے۔ محبت سے قربت کا احساس جنم لیتا ہے۔ ماوراء ہستی اللہ سے جتنی محبت کی جائے وہ ہستی اس مناسبت سے دس گنا بندے کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ دوستی کا وصف قربت ہے نہ کہ دوری۔ دوست کو دوست سے نہ خوف ہوتا ہے اور نہ غم۔

آدم وحوا کے بیٹوں اور بیٹیوں کو عہد کرنا چاہئے کہ ماوراء ہستی اللہ سے آج کے بعد ڈریں گے نہیں۔ اس سے محبت کریں گے اس لئے کہ ماوراہستی خود اعلان کر رہی ہے۔

''اللہ کے دوستوں کو نہ خوف ہوتا ہے اور نہ انہیں غم ہوتا ہے۔''

*****

www.ksars.org

ماورائی ڈوریاں

تصوف کی تاریخ میں یہ مسئلہ متنازعہ فیہ رہا ہے کہ انسان کے اندر جب اس کی روحانی قوتیں متحرک اور کارفرما ہوتی ہیں تو کیسے سمجھا جائے کہ ان حالتوں میں حقیقت کی رنگینی ہے یا شیطان کی کارفرمائی۔ مذہب میں بھی اس مسئلہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ روحانی واردات وکیفیات اگر حقیقت پر مبنی نہ ہو تو اس بات کا گمان یقین بن جاتا ہے کہ شیطانی الہام آدم زاد کو نچلے گھڑے میں پھینک دیتا ہے۔ جہاں تک مرشد اور گرو کی تعلیمات کا تعلق ہے اس میں یہ بات قابل اعتراض رہی ہے کہ ایک مرشد سینکڑوں یا ہزاروں میل دور بیٹھ کر مرید کی کس طرح تربیت کر سکتا ہے۔ اور اگر وہ روحانی طور پر تربیت کر بھی سکتا ہے تو وہ کون سا یقینی امر ہے جس کے بارے میں کہا جائے کہ مرشد کی رُوح شیطانی الہام سے مُبرا ءہے۔ مرشد بہر حال ہماری طرح کا ایک انسان ہے۔

انسانی زندگی کے بارے میں دانشوروں کا تجزیہ ہے کہ زندگی دراصل خیالات کی ایک فلم ہے۔ اور یہ فلم دماغی اسکرین پر تسلسل اور تواتر کے ساتھ ڈسپلے DISPLAY ہو رہی ہے۔ خیال کے بارے میں غور و فکر ہمیں اس حقیقت سے آشنا کرتا ہے کہ ایک ہی خیال کو مختلف معنی پہنانے کا نام تکمیل ہے۔ جب ہم بھوک کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو پیٹ بھرنے کے ایک مخصوص عمل کو اچھا قرار دیتے ہیں اور پیٹ بھرنے کے اسی عمل کو برائی سے منسوب کرتے ہیں۔

شادی ایک عمل ہے جس کے اوپر نوعِ انسانی کی بقا کا انحصار ہے۔ اگر اس عمل کی انسان کے اپنے بنائے ہوئے قاعدوں اور ضابطوں کے ساتھ تکمیل ہوتی ہے تو یہ عمل خیر ہے اور یہی عمل متعین قاعدوں اور ضابطوں کے خلاف کیا جائے تو برائی ہے حالانکہ نتائج کے اعتبار سے عمل کے دونوں رخوں کا ایک ہی نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔

عمل کی پہچان یہ ہے کہ ایک عمل کرنے سے ضمیر خوش ہوتا ہے اس کے اندر سکون اور اطمینان کی لہریں موجزن ہوتی ہیں۔ اور عمل کی دوسری پہچان یہ ہے کہ ضمیر نہ خوش ہوتا ہے۔ اور انسان یہ عمل کر کے ندامت محسوس کرتا ہے۔

انسان دراصل ایک درخت ہے اور اس کی زندگی کے اعمال و کردار اس درخت کے پھل ہیں۔ یہ بات بھی ہم سب کے سامنے ہے کہ درخت اپنی جڑ سے نہیں پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ یہی صورتِ حال انسانی اعمال کی ہے۔ صداقت کا فیصلہ اس کے ماخذ سے نہیں اس کے نتائج سے مرتب ہوتا ہے۔ کسی شخص کے اندر نیکی کے تصورات یا برائی کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ انسان کا خود کا اپنا عمل اس کا یقین دلا سکتا ہے کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا ہے۔ کسی عمل کو پرکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ یہ عمل معاشرے پر کس طرح اثر انداز ہو رہا ہے۔ اگر اس عمل میں سچائی، گہرائی اور فطرت موجود ہے تو یہ عمل صحیح اور سچا ہے۔

www.ksars.org

جن لوگوں کے جسمانی تقاضے روحانی کیفیات سے ہم رشتہ رہتے ہیں ان کا طرز تکلم اور طرز تعلیم اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ بندہ جسم و جان کے رشتے سے واقف ہے۔ رُوح اور جسم کے مشترک نظام میں جب حرکت پیدا ہو جاتی ہے توانسان خود کو خوشی اور ایثار کے جذبے میں ڈوبا ہوا محسوس کرتا ہے۔ وہ نوع انسانی کے ہر فرد کو اور کائنات کے تمام افراد کو اس نظر سے دیکھتا ہے جس نظر سے ایک ماں اپنے بچے کو دیکھتی ہے اس کی سرشت میں یہ بات راسخ ہو جاتی ہے کہ میرا رشتہ کائنات کے تمام افراد سے قائم ہے ۔ جس طرح کائنات میرے اندر بسی ہوئی ہے اسی طرح کائنات کا ہر فرد میرے دل کے آئینے پر اپنا عکس ڈال رہا ہے۔ وہ جب چاہے اپنے اندر اس عکس سے پیغام و سلام کر سکتا ہے۔

شیطانی تفکر، ابلیسی طرز فکر اور بڑائی کے تشخص ہستی کی سوچ یہ ہے کہ وہ اپنا عرفان اس طرح رکھتی ہے کہ اس جیسا کوئی نہیں ہے۔ کبر و نخوت اس کی گردن کے پٹھوں کو تشنج میں مبتلا کر دیتی ہے۔ چہرہ پر ملامت، صباحت اور معصومیت کی جگہ بد صورتی اور خشکی اپنا تسلط جما لیتی ہے۔

ایک اپنے ہی جیسے انسان کے پاس بیٹھنے سے سرور ملتا ہے اور اپنے ہی جیسے دوسرے انسان کی قربت تکدر اور بھاری پن میں مبتلا کر دیتی ہے۔ ہر انسان پیدائش سے لیکر بڑھاپے تک تجربات کی ایک دستاویز ہے۔ دستاویز میں بھلائی سرائیت کر گئی ہے تو دستاویز قیمتی اور فائدہ مند ہے۔ رگ و پے میں اگر برائی رچ بس گئی ہے تو دستاویز بھیانک اور بھونڈی ہے۔ بہترین دستاویز انسان کے لئے خود آگہی کا ذریعہ ہے۔ خود آگہی ایک لا متناہی راستہ ہے جس راستے پر چل کر کوئی انسان ایسا درخت بن جاتا ہے جس کے پھل میٹھے اور شیریں ہوتے ہیں۔ ایک عالم اس سے سیراب ہوتا ہے۔ اس کی ٹھنڈی چھاؤں سے سکون اٹھاتا ہے۔ بھونڈی دستاویز انسان کے اندر بے حسی اور خود غرضی اور لالچ پیدا کرتی ہے۔ یہ انسان کانٹوں بھرا ایسا درخت ہوتا ہے جس کے نیچے ایک دو گھڑی بھی کوئی بیٹھنا پسند نہیں کرتا۔

اگر انسان کے اندر خود سکون ہے وہ دوسروں کے لئے طمانیتِ قلب کا ذریعہ ہے۔ اس کا سایہ ٹھنڈا اور عطر بیز ہے،۔ اس کی روحانی کیفیات حقیقی ہیں اور اگر انسان خود سکون سے دُور ہے، اس کے اوپر غم کے بادل چھائے رہتے ہیں۔ وہ خوف اور ڈر کے خشک اور بے آب و گیاہ پہاڑوں کے دامن میں کراہ رہا ہے۔ یہ کیفیت شیطانی الہام ہے اور اس کی ساری زندگی دھوکا ہے۔

زندگی کی اچھی دستاویز رکھنے والا انسان خدا کے ساتھ قریبی تعلق رکھتا ہے۔ اور خدا کی قربت سے لطف اٹھاتا ہے۔ خدا کا ملاپ اُسے بے طلب اور توقع ملتا ہے۔ وہ زندگی کے ہر سانس میں خدا سے قربت محسوس کرتا ہے۔ خدا کو اپنے اند جلوہ گر دیکھتا ہے، جو خدا کہتا ہے وہ سنتا ہے اور جو خود کہتا ہے خدا اسے خود قبول کر لیتا ہے۔ خدا سے ہم کلامی میں زندگی کے ماہ و سال، مفروضہ حواس اور عادات و اطوار اس سے عارضی طور پر محو ہو جاتے ہیں۔ پھر اس پر زندگی کے وہ راز منکشف ہوتے ہیں جو عالمین کو معلوم نہیں ہوتے۔ اس

www.ksars.org

احساس کی بدولت انسان اپنی اصل کو پہچان لیتا ہے اور یہ جان لیتا ہے کہ اس کا جینا مرنا ایک عالم سے دوسرے عالم میں زندگی گزارنے میں کیا اسرار ہیں۔ ایسا بندہ ہر آن اور ہر لمحہ خدا کے وجود کو اپنے اندر محسوس کرتا ہے۔ جسمانی طور پر یہ بندہ عام انسانوں کی طرح ہوتا ہے لیکن اس کے اندر واحد نقطہ ٔالٰہی تجلی سے روشن اور چارج CHARGE ہوتا رہتا ہے یہی وہ نقطہ ہے جس نقطہ کے ساتھ ساری کائنات لہروں کی ماورائی ڈوریوں میں بندھی ہوئی ہیں۔

*****

KSARS
www.ksars.org

مرکزی نقطہ

انسان ایسی زندگی چاہتا ہے جو فنا سے ناآشنا ہو۔ایسی صحت چاہتا ہے جو بیماریوں سے متاثر نہ ہو۔ایسی جوانی چاہتا ہے جو بڑھاپے میں تبدیل نہ ہو۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا۔ جوانی بڑھاپے میں تبدیل ہو جاتی ہے، صحت اور تندرستی کے اوپر بیماریوں کا غلبہ ہوتا رہتا ہے۔انسان زندگی کے نشیب و فراز سے کتنا ہی فرار چاہے کامیاب نہیں ہوتا۔اس لئے کہ دنیا میں کوئی چیز بے ثباتی سے خالی نہیں۔ فنااور تخریب کا عمل ہر وقت جاری و ساری ہے۔

انسان کے اوپر جب بے ثباتی کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ تکلیف کے بارے میں زیادہ حساس ہو جاتا ہے۔تکلیف اور غم کے عالم میں ایسے ایسے احساسات نمودار ہوتے ہیں۔ جن سے انسان غمگیں اور پریشان خیال بن جاتا ہے۔زندگی کی ساری چمک ودمک ماند پڑ جاتی ہے اور شان و شوکت افسردہ ہو کر ٹھٹھر جاتی ہے۔

انسان پیدائش کے بعد سے بڑھاپے تک مسلسل ایک جنگ لڑتا ہے۔وہ ہر حال میں فتح یاب ہو کر سرخرو ہونا چاہتا ہے لیکن بالآخر جیت بڑھاپے کی ہوتی ہے اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ موت بڑھاپے کے اوپر چھا جاتی ہے۔حیات کی ابتدا کتنی ہی شاندار کیوں نہ ہو انتہائی طور پر فنا ہے۔ہر آن ہر لمحہ انسان کو موت کی آنکھ گھورتی رہتی ہے۔

ایک مکتبۂ فکر کا خیال ہے کہ انسان کی خوشی اس میں ہے کہ وہ آزادنہ زندگی گزارے۔ لیکن جب ان لوگوں نے زندگی کی فنائیت پر سوچنا شروع کیا تو اس نتیجہ پر پہنچے کہ انسان کسی بھی حال میں آزاد نہیں ہے۔اس فلسفے میں یہ بات بھی سامنے آئی کہ ہر مسرت کے بعد کسی آفت کا آنا لازمی ہے۔ہر سکھ اور چین کے بعد کوئی نہ کوئی فتنہ برپا ہوتا ہے۔ہر خوشی دراصل ایک غم کا پیش خیمہ ہے اور ہر سکون اضطرات اور بے چینی پر ختم ہوتا ہے۔

ہر خوشی اک وقفۂ تیاری سامان غم
ہر سکون مہلت برائے امتحان و اضطراب

عام مشاہدہ یہ ہے کہ سکھ ہو یا چین، مصیبت ہو یا پریشانی، لڑکپن ہو یا جوانی، ہر چیز پر موت حاوی ہے۔ غور کیا جائے تو زمین پر بسنے والی تمام مخلوقات میں انسان سب زیادہ مظلوم اور مصیبت زدہ ہے۔ موت جب اس کے سامنے آکر کھڑی ہو جاتی ہے تو انسانی زندگی کی ساری جدوجہد بے کار محض دکھائی دیتی ہے۔انسان زندہ رہتا ہے اور زندگی میں اتنے دکھ جھیلتا ہے کہ جب دکھ اور سکھ کے اعداد و شمار جمع کئے جاتے ہیں تو ساری زندگی دکھوں کا ایک لامتناہی سلسلہ نظر آتا ہے۔ آدمی برہنہ پیدا ہوتا ہے اور برہنہ چلا جاتا ہے۔اور

www.ksars.org

یہ بھی پتا نہیں چلتا کہ وہ کہاں سے آیا اور کیوں آیا اور کہاں چلا گیا۔ خبر متواتر ہمیں بتاتی ہے کہ انسان عدم سے وجود میں آیا اور پھر عدم میں چلا گیا۔ یعنی انسان کی تمام جدوجہد، ہر قسم کی کوشش، زندہ رہنے کی تگ ودو سب عدم ہے۔ زندگی ایک پروگرام کے تحت آدم زاد کو وسائل اور خورد و نوش کے ساتھ متحرک رکھتی ہے۔ آدم زاد جانوروں کو کھلا پلا کر موٹا تازہ کرتا ہے اور ذبح کر کے کھاجاتا ہے۔ جس طرح آدم زاد جانوروں کو کھاتا ہے اسی طرح موت آدم زاد کو کھا لیتی ہے۔

زندگی سے مردانہ وار لڑ کر فتح یاب ہونے کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ انسان جدوجہد اور کوشش کی حقیقت سے واقف ہو جائے۔ واقفیت یہ ہے کہ زندگی ایک روٹینROUTINE میں گزار دی جائے ۔ روٹین یہ ہے کہ ہم سانس لیتے ہیں لیکن کبھی یہ نہیں سوچتے کہ ہم سانس لے رہے ہیں۔ پلک جھپکتی رہتی ہے لیکن ہم یہ نہیں سوچتے کہ پلک جھپک رہی ہے۔

حقیقی طرزِ فکر یہ ہے کہ کسی سے توقع نہ رکھی جائے اس لئے کہ جو کوئی بندہ کسی سے توقع نہیں رکھتا وہ ناامید بھی نہیں ہوتا۔ امیدیں توازن کے ساتھ کم سے کم رکھنی چاہئیں۔ اور ایسی ہونے چاہیں جو پوری آسانی کے ساتھ ہوتی رہیں۔

آسمانی کتابوں کے مطابق سکون حاصل کرنے کا موثر طریقہ یہ ہے کہ انسان غصہ نہ کرے اور کسی بات پر پیچ وتاب نہ کھائے۔ عملی جدوجہد میں کوتاہی نہ برتے اور نتیجہ کے اوپر نظر نہ رکھے۔ زمین پر بسنے والی نوعیں زندگی کے جن اصولوں پر کاربند ہے ان کا مطالعہ کرے۔

عارضی FICTIONزندگی کی اکائیوں کو یک جا کر لیا جائے تو شہادت فراہم ہوتی ہے:

قانون فطرت میں کہیں جھول نہیں ہر چیز وقت کے ہاتھوں میں کھلونا بنی ہوئی ہے۔ وقت جس طرح چابی دیتا ہے شئے حرکت میں آجاتی ہے۔ وقت اپنا رشتہ توڑ لیتا ہے تو چابی کھلونے میں ختم ہو جاتی ہے۔ کل پرزے سب ہوتے ہیں لیکن قوت ENERGY باقی نہیں رہتی۔ وقت TIME قوت کا مظاہرہ ہے، قوت ایک توانائی ہے، ایک مرکز ہے اور اسی مرکز کو آسمانی کتابیں قدرت کے نام سے متعارف کراتی ہیں۔ قدرت قائم بالذات ہے، ایک ایسا مرکزی نقطہ ہے جس نقطے کے ساتھ پوری کائنات کے افراد بندھے ہوئے ہیں۔ وجود اور عدم جود دونوں اس میں گم ہیں۔

انسان جب اس مرکزی نقطے سے اپنا رشتہ تلاش کر لیتا ہے تو دنیاFICTION سے اس کی ساری توقعات ختم ہو جاتی ہے۔ اور جب ایسا ہو جاتا ہے تو مسرتیں اس کے گرد طواف کرتی ہیں_____ اور____ موت کی آنکھ اسے مامتا کی آنکھ سے دیکھتی ہے۔ اس کے قریب آنے سے پہلے دستک دیتی ہے اور اجازت کی طلب گار ہوتی ہے۔

*****

www.ksars.org

پیاسی زمین

اگر ہم عقائد کا تجزیہ کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ مذہب کا مدار ایمان بالغیب پر ہے یعنی اس یقین پر کہ غیب میں حقائق ہمیں نظر نہیں آتے لیکن اس کے باوجود ہماری فلاح اسی میں ہی ہے کہ ہم ان دیکھی حقیقتوں پر ایمان لائیں اور اپنے ذہن و عمل کا تعلق غیب کی دنیا سے قائم رکھیں۔

مذاہب اور ان کے معبود جن کی لوگ پوجا کرتے ہیں، محض تصوراتی دنیا ہے۔ محسوس طرزوں میں ان معبودوں کو نہ دیکھا جا سکتا ہے۔ اور نہ محسوس کیا جا سکتا ہے۔ موجود اور محسوس مذہبی چیزوں کے علاوہ مذہب کے اندر اور بھی تصورات ہوتے ہیں جو انسانی زندگی اور اس کے اعمال و افعال پر گہرا اثر ڈالتے ہیں۔

آج کی جگمگ کرتی ترقی یافتہ روشن دنیا میں بھی ایک مکتبہ فکر کہتا ہے کائنات کی ماہیت، رُوح اور موت کے بعد کی زندگی جیسے موضوعات میں سے کوئی چیز ہمارے لیے علمی کوشش اور فکر کا موضوع نہیں بن سکتی کیونکہ ہمارے تصورات اور ہمارے شعوری محسوس علم کے لئے ضروری ہے کہ ان میں محسوسیت اور متشکل شکلیں داخل ہوں۔ مذہبی موضوعات اور عقائد میں چوں کہ معین محسوسات نہیں ہیں، اس لئے یہ شعبہ علمی لحاظ سے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ انسان کی زندگی کا یہ عجیب مظہر ہے کہ انسان پوری قوت کے ساتھ ایسی چیزوں کے وجود کا یقین رکھتا ہے جس کی نسبت وہ صحیح معنوں میں تصور بھی قائم نہیں کر سکتا۔

کم و بیش یہی صورت حال چودہ سو سال پہلے تھی۔ لوگوں نے محسوس طرزوں کی بنیاد پر نئے نئے بت تراش لئے تھے۔ ہر طرف گمراہی کے گھٹاٹوپ اندھیرے چھائے ہوئے تھے۔ یونان، روما اور بحیرۂ روم کے گرد و پیش آسمانی مذاہب اپنی توانائی کھو چکے تھے۔ سلطنت کی پرستش رومتہ الکبریٰ کا مذہب تھا اور شاہ پرستی لوگوں کا ایمان و دَھرم تھا۔

یونان، روم، مصر و شام اور ہندوستان کے تہذیب و تمدن ظاہری عروج پر ہونے کے باوجود اخلاقی پستی میں گرے ہوئے تھے۔ جہالت اور بت پرستی کا دور دورہ تھا۔ فسق و فجور، عیش کوشی، توہم پرستی، بدکاری اور بے حیائی نے انسانی معاشرے پر غلبہ حاصل کر لیا تھا۔ آدم زاد برادری میں جس کے ہاتھ میں طاقت تھی وہ خدا بن بیٹھا تھا۔ یہ بھی تمیز نہیں رہی تھی کہ ہمارے ہی جیسا ایک بندہ جو ہماری طرح بھوک اور پیاس کا محتاج ہے، بول و براز سے مستثنٰی نہیں ہے۔ کیسے خدا ہو سکتا ہے۔ کوئی قانونی حد متعین نہیں تھی۔ کوئی کسی ضابطے کا پابند نہیں تھا۔ انتہاء یہ کہ اپنے ہی وجود میں سے پیدا ہونے والے وجود کو قتل کرنا روا تھا۔ دختر کشی، قمار بازی، مے نوشی اور بداخلاقی عام تھی۔ یہی وہ تاریخی دور تھا جب سوکھی اور پیاسی زمین نے اور زمین کے اوپر بسنے والی مخلوق نے آسمان کی طرف نظریں اٹھائیں اور آسمانوں سے اس پار عرش پر مکین اس ہستی کو جو سب کا خالق ہے اور جس نے محبت کے ساتھ

www.ksars.org

پیدا کیا ہے زمین کے اوپر رحم آگیا۔اور اس نے اپنے نُور کا ایک حصہ زمین پر اتار دیا تا کہ تاریکی روشنی میں بدل جائے پیاسی زمین سیراب ہو جائے اور اندھوں کو آنکھیں، گونگوں کو زبان اور بہروں کو کان مل جائیں۔انسانیت کا بھرم جو بکھر چکا ہے دوبارہ قائم ہو جائے۔

انسانی تاریخ کے بھیانک، دہشت ناک نفسا نفسی کے اس گھٹن دور میں ایک عظیم انسان پیدا ہوا،ایسا عظیم انسان جو سراپا رحمت تھا اور رحمت ہے۔آپ ایسی قوم میں پیدا ہوئے جو سرتاسر ظلم و جہالت میں ڈوبی ہوئی تھی۔اندھیرے میں یہ روشن مینار جلوہ نما ہوا تو دشمنوں نے بھی آپ کے صادق وامین ہونے کا اعتراف کیا۔مکے کے بوڑھے، بچے، جوان مرد و زن آپ ﷺ کے اوپر اعتماد کرتے تھے۔یہاں تک کہ آپ نے اہل مکہ کو جمع کر کے کہا۔

"اگر میں کہوں پہاڑ کے دوسری جانب ایک بہت بڑا لشکر جمع ہے جو تم پر حملہ کرنے والا ہے تو تم مان لوگے ؟"

سب نے یک زبان ہو کر کہا۔"بے شک ہم یقین کریں گے کیوں کہ آپ ﷺ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔"

لیکن جب اس صادق ذات بابرکت نے اوہام پرستی اور اپنے ہاتھوں سے تراشیدہ بتوں کی پرستش سے منع کیا اور خدا کا پیغام سنایا تو وہ سب آپ کے دشمن بن گئے۔آپ کو گالیاں دیں، پتھر مارے، راستے میں کانٹے بچھائے، گلے میں پھندا ڈال کر آپ کو گھسیٹا، نماز میں بحالتِ سجدہ آپ ﷺ کے اوپر گندگی پھینکی، راستہ گزرتے آپ کے اوپر کوڑا کرکٹ پھینکا گیا۔یہ سب کیوں ہوا، اہل قریش کی یہ دشمنی اور عناد کیوں تھا؟اس لئے کہ ہادی برحق ﷺ نے تاریک دنیا میں نور کی شمع جلادی تھی۔نوعِ انسان کے قافلہ کو ہلاکت سے بچانے کے لیے سیدھی راہ دکھادی تھی۔اللہ کے اس محبوب بندے کو چند قدسی نفس حضرات کی ایک جمیعت مل گئی تو ظالموں نے آپ ﷺ کے پیروکاروں کو بھی نہیں بخشا۔اُن کو گرم ریت پر لٹایا، ان کے ہاتھوں پر کیلیں گاڑیں، ہاتھ اور پیر باندھ کر جھلستی ہوئی دھوپ میں ریگستان کی تپتی ہوئی ریت پر ان کے جسموں کو گھسیٹا۔آپ ﷺ سب کچھ دیکھتے رہے۔صبر کرتے رہے ، کیوں؟اس لئے کہ آپ کو رب العالمین نے رحمت اللعالمین بنا کر بھیجا تھا۔یہ سزا کس جرم کی پاداش میں تھی، یہ ظلم و بربریت کیوں تھی؟اس لئے کہ رحمت اللعالمین اپنی آغوش میں لیکر لوگوں کو عذاب اور دردناک زندگی سے بچانا چاہتے تھے۔خالق کائنات کا یہ محبوب لوگوں کو ابدی آسائش سے روشناس کرانا چاہتا تھا۔یہ کیسی حرماں نصیبی تھی کہ چاہنے والوں کو دھتکارا جا رہا تھا۔محبت کرنے والے کے ساتھ نفرت و غصہ کا اظہار کیا جارہا تھا۔آپ کے صبر و تحمل کا یہ عالم تھا کہ آپ اہل طائف کو اللہ کا پیغام سناتے، لوگ آپ کو پاگل دیوانہ کہتے اور جب غصہ دور نہیں ہوتا تو پتھر مار مار کر آپ ﷺ کو لہولہان کر دیتے۔جب خون بہتا ہوا دیکھ کر آپ کے دوست (صحابہ) عرض کرتے۔۔۔۔

www.ksars.org

''یارسول اللہ ﷺ ،ان کے لئے بددعا کریں"تو آپ ﷺ فرماتے۔۔"میں لوگوں کے لئے زحمت بن کر نہیں آیا، رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔''

اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔جب اللہ کا وعدہ پورا ہوا تو لوگوں نے خدا کو محسوس طرزوں میں دیکھا۔ محسوس طرزوں میں خدا کی آواز سنی اور محسوس طرزوں میں اس کی قربت کو پالیا۔

KSARS

www.ksars.org

وجدان

کہا جاتا ہے کہ انسانوں کو زندہ رہنے کے لئے کسی نہ کسی عقیدے کا پابند رہنا ضروری ہے۔ گردوپیش کے حالات اور ماں باپ کی تربیت سے جس قسم کے عقائد بچے کے ذہن میں پرورش پا جاتے ہیں وہی بچے کا مذہب بن جاتا ہے۔ تمام نظریات کی بنیاد ان ہی اصول پر کارفرما ہے اس کے بغیر تاثرات، واردات اور کیفیات کو عقیدے کے سلسلے میں کوئی جگہ نہیں ملتی۔ ہمارے تمام فلسفے اور تمام طبعی سائنس اسی کلیہ پر قائم ہے لیکن جب ہم انسان کی ذہنی اور اندرونی زندگی پر غور کرتے ہیں۔ تو ہمیں ذاتی اور باطنی واردات و کیفیات میں نمایاں فرق نظر آتا ہے۔ جو کچھ ہے وہ بچپن میں سنی ہوئی، دیکھی ہوئی اور والدین سے ورثہ میں ملی ہوئی کیفیات کا ثمر ہے۔ ہم جب اس مسئلے کو منطقی انداز میں حل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں یہ دیکھ کر مایوسی ہوتی ہے کہ عقل کا رعب اور وقار بہت ہے لیکن فی الواقع عقل بے بس ہے کیوں کہ جہاں دلائل زیر بحث آتے ہیں وہاں محض الفاظ کے گورکھ دھندے سے مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ ہم جب عقلی بنیادوں پر یا منطقی استدلال سے عقیدے کے بارے میں سوچتے ہیں تو ہمیں مایوسی اور ناکامی کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ایک زمانہ تھا کہ خدا کی ہستی کے ثبوت میں بہت کچھ لکھا گیا۔ بے شمار دلائل نظم و نثر میں جمع کئے گئے اور ایک پورا گروہ ان دلائل اور طرز فکر کو پھیلانے کی کوشش کرتا رہا لیکن جب انسانی شعور نے کروٹ بدلی صدیوں پرانے منطقی استدلال کو رد کیا کہ وہ ساری تقریریں، تحریریں موٹی موٹی کتابیں طاقِ نسیاں ہو گئیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آنے والی نسلوں کو مذہب کے بارے میں جو ثبوت چاہئے تھا وہ اسے نہیں ملا۔ نتیجہ میں مذہب سے ان کا اعتماد اٹھ گیا اور نوجوان نسل نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ مذہب جس خدا کا تذکرہ کرتا ہے اگر خدا ہے تو ہمارا خدا ایسا نہیں ہے جس طرح ہمارے آباؤ اجداد سمجھتے تھے۔ مفکر جب فکر کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہوتا ہے۔ تو وہ کہتا ہے کوئی بندہ اپنے عقیدے کی وجہ بیان نہیں کرتا۔ اس لئے کہ وجہ بیان کرنے میں عقلی دلائل کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

ان سب کے باوجود رواں دواں زندگی میں ہم سب یہ یقین رکھتے ہیں عقیدے کے بغیر کوئی فرد زندگی کو صحیح خد و خال پر قائم نہیں رکھ سکتا۔ عقیدے سے مراد عام طور پر یہ لی جاتی ہے کہ بندہ یہ کہتا ہو کہ کوئی ایسی ماورائی ہستی موجود ہے جس کے ہاتھ میں پوری کائنات کا نظام ہے۔ وہ جو چاہتا ہے جس طرح چاہتا ہے ہوتا رہتا ہے۔ بدعقیدگی یا عقیدہ کا نہ ہونا انسان کو اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ جو کچھ ہے وہ سب اتفاقی حادثہ کا نتیجہ ہے۔ لیکن بہر حال عقیدہ ہو یا بے عقیدگی انسان اپنی ذات سے ہٹ کر اندر کی دنیا کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں بے عقیدہ ہونا بھی ایک عقیدہ ہے۔ کوئی شخص اگر خدا کی ہستی اور خدا کے وجود سے

www.ksars.org

انکار کرتا ہے تو ہم اس کو دہریہ کے عقیدہ کا عمل کہتے ہیں۔ جب تک مذہب اور خدا کے بارے میں ہمارا فلسفی انداز اور منطقی استدلال موجود رہتا ہے ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچتے اس لئے کہ ماوراہستی کو سمجھنے کے لئے ماوراشعور کا ہونا بھی ضروری ہے۔ پس ثابت یہ ہوا کہ مذہب ماورائی ہستی اور صداقت کے اصل اساس ہمارا غیر شعوری عقیدہ اور وجدان ہے۔ جب ہم وجدان میں قدم بڑھا دیتے ہیں تو فطرت ہماری رہنمائی کرتی ہے اور عقل اس کی پیروی کرتی ہے۔ یہ بات مشاہدے میں ہے کہ جن لوگوں کے اندر وجدان کی دنیا روشن ہو گئی ان لوگوں کے اوپر خدا کے عدم وجود کے بارے میں خواہ کیسے بھی بلند دلائل پیش کئے گئے ان کے عقیدے میں اور ان کی طرز فکر میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔

یہ حقیقت اس طرف راہ نمائی کرتی ہے کہ وجدان ایک ایسا عالم ہے جس عالم میں ہر لمحہ، ہر آن حقیقتیں عکس ریز ہوتی رہتی ہیں۔ عالم وجدان میں سفر کرنے والا مسافر وہ سب کچھ دیکھ لیتا ہے جو عقل کی پہنائیوں میں گم رہنے والا بندہ نہیں دیکھتا۔ انسانی جبلت اور فطرت کا موازنہ کیا جائے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جبلت بے قرار اور بے سکون رکھتی ہے اور فطرت میں انسان کے اوپر سکون اور راحت کی بارش برستی رہتی ہے، اس لئے کہ فطرت براہ راست خالق کائنات سے ہم رشتہ ہے اور تخلیق کرنے والی ہستی سراپا سکون اور رحمت ہے۔

نسلی اعتبار سے ہمارے بچے جس مذہب کے پیروکار ہیں انہیں جب اس مذہب میں سکون نہیں ملتا تو وہ بغاوت پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ سکون ایک حقیقت ہے، ایسی حقیقت جس حقیقت کے ساتھ پوری کائنات بندھی ہوئی ہے۔ حقیقت فکشن نہیں ہوتی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ بندے کے اندر وہ کون سی طاقت ہے جو ٹوٹ پھوٹ، گھٹنے بڑھنے اور فنا ہونے سے محفوظ ہے۔ وہ طاقت وہ ہستی ہر بندے کی اس کی اپنی رُوح ہے۔ نسلی اعتبار سے اگر ہم اپنے بچوں کو ان کے اندر موجود رُوح سے آشنا کر دیں تو وہ خدا کے دوست بن جائیں گے خدا کا فرمان یہ ہے کہ اللہ کے دوستوں کو خوف اور غم نہیں ہوتا۔ زندگی کی ذہنی جسمانی اور رُوحانی تمام مسرتیں ان کے شامل حال ہوتی ہیں۔

*****

www.ksars.org

سیلاب

ہم جب مذہب کا تذکرہ کرتے ہیں تو ہمارے سامنے دو طرزِ فکر آتی ہیں۔ایک طرز فکر کہ لوگ کم یاب ہے اور دوسری طرز فکر کہ لوگ اکثریت میں ہیں۔دونوں گروہوں کا کہنا کہ وہ فضل الٰہی سے بہرہ اندوز ہیں۔ایک طرزِ فکر کے لوگ اپنے نفس پر سختی کرتے ہیں لیکن دوسروں کے لئے شفیق ہوتے ہیں۔ایک گروہ کے لوگ عام لوگوں سے اس قدر دور ہوتے ہیں کہ خیال ہوتا ہے یہ جبلی تقاضوں سے دور ہیں۔اور نہایت غلط راستے پر پڑ گئے ہیں۔ایک گروہ میں جذباتی ہیجان اور اثر پذیری بہت زیادہ ہوتی ہے اور دوسرے گروہ کے افراد اخلاقی اور عملی زندگی کے دل دادہ ہوتے ہیں۔دونوں یہ کہتے ہیں کہ ہمارا بھروسہ اللہ پر ہے اور ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ اللہ کے لئے کر رہے ہیں۔لیکن دونوں گروہوں میں سے ایک گروہ کے اوپر خوف اور غم ہمیشہ مسلط رہتا ہے۔وہ جو کچھ کرتا ہے اور کہتا یہ ہے کہ غم اور خوف سے نجات حاصل کرنے کے لئے ہے۔لیکن جیسے جیسے مذہب کے روپ میں عملی زندگی اس کے اوپر محیط ہوتی ہے وہ خوف اور دہشت وتذبذب کے جال میں گرفتار ہوتا چلا جاتا ہے۔تمام جذبے اس کے سامنے سرد پڑ جاتے ہیں اور جب جذبہ شدت اختیار کرلیتا ہے تو اس جذبے کا حامل ہر فرد دوسرے فرد کو بھی اپنی طرح غم وخوف میں مبتلا دیکھنا چاہتا ہے۔عبادت اور ریاضت کے ہر عمل کی بنیاد یہ ہوتی ہے کہ اس عمل سے ڈر اور خوف سے نجات ملے گی۔کب ملے گی،اس کے بارے میں یقینی شہادت موجود نہیں ہوتی اور یقینی شہادت نہ ہونے کی بنا پر ایسا انسان اپنی شخصیت کھو بیٹھتا ہے۔

ایک جگہ سیلاب آیا جس میں سارا علاقہ ڈوب گیا۔لیکن ایک ٹیلے پر پانی نہیں پہنچ سکا۔انسان اور جنگل کے بہت جانور اور کیڑے مکوڑے اس ٹیلے پر پناہ لینے جمع ہو گئے۔ایک شیر تیرتا ہوا اس ٹیلے پر آیا اور کتے کی طرح ہانپتا ہوا لوگوں کے درمیان زمین پر بیٹھ گیا۔وہ اس قدر خوف زدہ تھا کہ اسے گردوپیش کا ہوش نہیں تھا۔ایک آدمی اطمینان سے رائفل لیکر اس کی طرف بڑھا اور اس کے سر پر گولی ماردی۔خوف کے جذبے سے شیر اپنی درندگی کی صفت کو بھی بھول گیا اور خوف کے جذبے نے اسے بکری سے بھی زیادہ بزدل بنا دیا۔

ہم جب زندگی میں کام کرنے والے جذبات کا تذکرہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ حالات وواقعات کے ساتھ ساتھ جذبات میں تبدیلی رونما ہوتی ہے۔گردوپیش میں اگر خوف وہراس کی فضا پیش کر دی جائے تو لوگ خوف زدہ زندگی گزارتے ہیں۔اس کے برعکس اگر گردوپیش میں شجاعت اور بہادری کی فضا ہو تو لوگ بزدل شمار نہیں ہوتے۔اسی طرح گردوپیش میں اگر تساہل، کسلمندی،لاپرواہی کے عوامل کارفرما ہوں تو اس ماحول میں رہنے والے اکثر لوگ کاہل اور تساہل پسند ہوتے ہیں۔لیکن اگر ماحول میں سے کسلمندی اور کساہل دور کردیا جائے تو اسی مناسبت سے لوگ باعمل ہو جاتے ہیں اور قوتِ ارادی سے بڑے بڑے کارنامے انجام دیتے ہیں۔

www.ksars.org

مثال۔ایک آرام طلب عورت ہے جو کسی قسم کی زحمت گوارا کرنا نہیں چاہتی وہ صبح سویرے بستر سے نہیں اٹھتی۔ دیر تک سونے کی عادی ہے۔ جہاں اس کو دِقت یا پریشانی نظر آتی ہے، ادھر کا رخ نہیں کرتی۔ لیکن یہی عورت جب ماں بن جاتی ہے تو اس کے اندر انقلاب برپا ہو جاتا ہے۔ ماں کا جذبہ غالب ہونے کے بعد وہ راتوں کو جاگتی ہے۔ بغیر کسی عذر اور شکایت کے بچے کی پرورش اور تربیت میں خیال کو بھی خاطر میں نہیں لاتی۔ اس کے برعکس بچے کی وجہ سے اس کو جو بے آرامی ہوتی ہے۔ وہ اس کے اندر کچھ کرنے کے احساس کو اور گہرا کر دیتی ہے۔ وہ ذاتی طور پر کتنی ہی کنجوس، بے مروت اور خود غرض ہو لیکن بچے کے لئے وہ ہمیشہ ایثار کرتی ہے۔

جو لوگ خوف زدہ زندگی سے آزاد نہیں ہیں وہ خود غرضی اور ہر قسم کے نفسانی اور شہوانی جذبات کی یلغار میں گھرے رہتے ہیں۔ یہ سفلی جذبات اس کو اپنا معمول بنا لیتے ہیں۔ خود پرستی اور شہوانی احساسات بالآخر ان کے اوپر جمود طاری کر دیتے ہیں اور جب وہ زندگی کے اس دور میں قدم رکھتے ہیں جہاں یہ جذبات جبلی طور پر از خود سرد پڑ جاتے ہیں تو ان کے اوپر ایک ختم نہ ہونے والی بیزاری کی کیفیت مسلط ہو جاتی ہے۔ اس کیفیت سے نبرد آزما ہونے کے لئے وہ ایسے طریقے اختیار کرتے ہیں جن طریقوں میں دوسرے لوگوں کے لئے اذیت اور تکلیف کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ مثلاً وہ جب کسی دوسرے آدمی کو نیکی کی طرف راغب کرنے کی دعوت دیتے ہیں تو برملا کہتے ہیں۔ تم نیکی نہیں کرتے۔ یعنی وہ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ ہم نیکوکار ہیں۔ کوئی بات سمجھنے، سوچنے اور غور و فکر کرنے کی ہوتی ہے۔ اگر وہ اس کو سمجھا نہ سکیں تو نفرت اور غصہ کا اظہار کرتے ہیں۔ اور ان کے اندر اس طرزِ فکر کی چھاپ اتنی گہری ہو جاتی ہے کہ ان کے چہرے مسخ اور بے نور ہو جاتے ہیں اور ان کے چہرے کی اسکرین پر ایک کربناک فلم چلتی ہوئی نظر آتی ہے۔

دوسرا گروہ وہ ہے جس کی طرزِ فکر میں خوف نہیں ہے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے یا اس سے جو اعمال و افعال سرزد ہوتے ہیں ان کے پیچھے جہنم کا خوف نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں کا نصب العین محبانہ رابطہ اور خالق کے سامنے خوشی سے سر تسلیم خم کرنا اور اپنے تئیں اس کے حوالے کر دینا ہوتا ہے۔ ان کے اندر سے ہر قسم کا خوف اور اندیشہ نکل جاتا ہے اور سعادت آمیز سکون ان کی طبیعت میں راسخ ہو جاتا ہے۔ وہ ہر دلعزیزی اور عزت و اقتدار کی تمنا کو اپنے لئے ممنوع قرار دیتے ہیں۔ جھوٹ اور منافقانہ عمل سے پرہیز کرتے ہیں اپنے قول و فعل سے کسی کو دھوکہ نہیں دیتے ایک دوسرے کے ساتھ کامل راستی برتتے ہیں۔ سچائی کو جس طرح دیکھتے ہیں اسی طرح بے دریغ بیان کر دیتے ہیں۔ لوگوں کے دل میں پیدا ہونے والے وسوسوں، کمزوریوں اور خدشات کو قبول نہیں کرتے سنجیدہ رہتے ہیں، سنجیدہ باتیں کرتے ہیں۔ اور اپنے آدم زاد بھائی اور بہنوں کو سنجیدہ طریقوں پر زندگی گزارنے کی تلقین کرتے ہیں۔ ساتھ ساتھ جھوٹی عاجزی اور علم کی نمائش نہیں کرتے۔ بناوٹ اور غرور ان سے دور بھاگتا ہے۔

مرکزِ جذبات کی درستگی سے انسان کے اندر ایسی پاکیزگی پیدا ہو جاتی ہے جس کے نتیجے میں وہ روحانی ناسازی طبیعت اور زندگی کی بے آہنگی سے پاک ہو جاتا ہے، جسمانی شہوات بے ہودہ خیالات سے دل پاک ہو جاتا ہے۔ دنیا کی آلائشوں سے نجات

www.ksars.org

مسل جاتی ہے۔ ایسا بندہ اپنے بھائیوں بہنوں اور اللہ کی تمام مخلوق کے ساتھ محبت اور نرم دلی کا رویہ اختیار کرتا ہے اور دشمنوں سے بھی محبت کرتا ہے اور بظاہر نظر آنے والے گھناؤنے انسانوں کے ساتھ بھی لطف و کرم سے پیش آتا ہے۔ مرکز جذبات کی نادرستگی سے انسان سختی، ناہمواری، منافقت، کورچشمی، کبر و نخوت، حرص و طمع اور احساس برتری یا احساس کمتری کا ایک فعال کردار بن جاتا ہے۔ ایسا کردار جس کو شیطان ذریت ابلیس میں شامل کر کے اس سے اپنے مشن کا کام لیتا ہے۔

*****

KSARS
www.ksars.org

مرشد اور مرید

زندگی کے بے شمار رخ ہیں زندگی کا ہر رخ اپنے اندر کشش رکھتا ہے۔ شعوری زندگی میں رہتے ہوئے زندگی کے اس پار لاشعور میں آدمی جب جھانکتا ہے تو اس کے اوپر یہ عُقدہ کھلتا ہے کہ ساری دنیا گروہوں میں بٹی ہوئی ہے۔ ہر گروہ کا اپنا ایک نظریہ ہے۔ اور ہر گروہ اپنی مخصوص خواہشات کے تانے بانے میں خود اختیاری قیدی ہے۔ اور ایک جواری یہ جاننے کے باوجود کہ جوا کھیلنا دولت کا ضیاع ہے، تنگ دستی میں بھی جوا کھیلتا رہتا ہے۔ ایک شرابی اس بات سے باخبر ہوتا ہے کہ شراب اس کے پھیپھڑوں کو گھن بن کر چاٹ رہی ہے، پھر بھی شراب پینا نہیں چھوڑتا۔ شراب مصائب اور پریشانیوں کے نجات پانے کے لئے پی جاتی ہے۔ مگر یہ کیسی نجات ہے کہ یہی نجات آدمی کو کھوکھلا کر دیتی ہے۔

مذہب کا پیروکار گروہ عقائد کی بھول بھلیوں میں سفر کرتا رہتا ہے۔ عقائد کی اس طوفانی دنیا میں بے شمار فرقے ہیں۔ ہر فرقہ خود کو ناجی اور دوسروں کو ناری سمجھتا ہے۔ لیکن جب کسی بھی فرقے کے کسی بھی فرد کو اندر سے ٹٹولا جاتا ہے تو اس کے اندر بے یقینی اور شک کا لاوا ابلتا ہوا نظر آتا ہے۔ سترہ سال کی عمر سے اسی سال تک عبادت و ریاضت کرنیوالے کسی شخص سے جب آسائش (جنت) اور آلام (دوزخ) کی زندگی کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو وہ بے یقینی کی اس منزل پر ہوتا ہے جس منزل کو دوزخ کے علاوہ کوئی دوسرا نام نہیں دیا جاسکتا۔ مذہب انسان کو یقین کی دنیا کی ترغیب دیتا ہے۔ اور یقین کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک یقین مشاہدہ نہ بن جائے۔ مذہب افراط و تفریط، کبر و نخوت، احساس کمتری اور احساس برتری کے جذبات کی نفی کرتا ہے۔ اور مذہبی انسان پر یہ جذبات مسلط رہتے ہیں۔ مذہب نوعِ انسانی کو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے کی دعوت دیتا ہے اور مذہبی دانشور اپنی پوری توانائی اس کی مخالف سمت میں صرف کر دیتا ہے۔

صوفیوں، پیروں اور سجادہ نشینوں کی دنیا عجیب طلسماتی دنیا ہے۔ زندگی کے بارے میں اس کے اپنے نظریات ہیں۔ اور اس کا اپنا ایک رخ ہے۔ یہ گروہ کہتا ہے کہ مرشد کی اطاعت مرید پر لازم ہے۔ مرشد کے حکم کی تعمیل میں فرق اور امتیاز کرنا درست نہیں ہے کیوں کہ مرشد خدا کا نمائندہ ہے۔ مرشد کی اطاعت نہ ہونے سے رُوح کمزور ہو جاتی ہے مرشد کے سامنے مرید موم کی گڑیا ہے تاکہ وہ جدھر چاہے اسے موڑ دے۔ بولنا، لکھنا، پڑھنا، چپ رہنا کوئی کام کرنا یا نا کرنا سب مرشد کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔ مرید کو مرشد کے ہاتھ میں ایسا ہونا چاہئے جیسے بوڑھے ضعیف آدمی کے ہاتھ میں لاٹھی۔ ایک بے جان مادی چیز جس کو جہاں مرشد چاہے اٹھا کر رکھ دے۔ کہا جاتا ہے کہ مرشد اگر مرید کو حکم دے کہ کنواں میں کود جا۔ مرید تعمیلِ حکم میں کنواں میں کود گیا، مگر اسے

www.ksars.org

خیال آگیا کہ مرشد خود ہی بچالے گا تو یہ پیر صاحب کی نظر میں حکم کی تعمیل نہیں ہوئی۔ حیرت اس بات پر ہے کہ یہ سب اسرار و رموز وہ لوگ بیان کرتے ہیں جن کی زندگی شک اور بے یقینی سے عبارت ہے۔

جب ہم زاہدانہ زندگی کو دیکھتے ہیں تو یہ باب کھلتا ہے کہ زاہدانہ زندگی دراصل جبلت کے خلاف جہاد اور جبلت کے منافی کردار ہے۔ یہ گروہ اس بات پر مصر ہے، بلکہ ان کا عقیدہ ہے کہ اعلیٰ جذبات کے مقابلے میں ادنی اور اسفل جذبات کو سوخت کر دیا جائے، خواہشات کو فنا کر دیا جائے، لباس ایسا زیب تن کیا جائے جو موٹا، کھردرا، بھدا اور بدصورت ہو غذا ایسی کھائی جائے جو روکھی سوکھی ہو۔ زندگی کے شب و روز میں قنوطیت کا عمل دخل ہو۔ آدم کو بے نوا انسان بن کر زندہ رہنا چاہئے۔ ظاہر ہے بے نوا انسان فقر و فاقے ہی میں زندگی بسر کرے گا۔ اور بھوک پیاس، گرمی سردی کی مصیبت اور تکلیف اس کا سرمایہ حیات بن جائے گا۔ خود ساختہ پُر مشقت زندگی کو وہ تسلیم و رضا کا نام دیتا ہے۔

قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں مذہب یہ ہے کہ آدمی کے اندر ایمان ہو۔ ایمان یومنون بالغیب ہے۔ ایمان یقین ہے اور مشاہدے کے بغیر تکمیل نہیں ہوتی یقین کی دنیا میں داخل ہو کر انسان یہ جان لیتا ہے کہ ساری انسانی برادری کا حاکم اعلیٰ اللہ ہے۔ اللہ چاہتا ہے کہ انسان متحد ہو کر مضبوط ہو کر اس کی رسی کو تھامے رہیں۔ اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالیں۔ حاکم اعلیٰ اللہ کو جاننے اور پہچاننے والے اللہ کے دوست ہیں۔ اور دوست اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ دوست دوست کو تکلیف نہیں پہنچاتا۔ اس لئے اس کے باطن میں یہ بات راسخ ہو جاتی ہے کہ وہ جنتی ہے۔

قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں مرید اور مرشد کا رشتہ استاد اور شاگرد، اولاد اور باپ کا ہے۔ مرید مرشد کا محبوب ہوتا ہے۔ مرشد مرید کی افتاد طبیعت کے مطابق تربیت دیتا ہے اس کی چھوٹی بڑی غلطیوں پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ نشیب و فراز اور سفر کی صعوبتوں سے گزار کر اسے اس مقام پر پہنچا دیتا ہے جہاں پُر سکون زندگی اس کا احاطہ کر لیتی ہے۔

قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں زاہدانہ زندگی یہ نہیں ہے کہ آدمی خواہشات کو فنا کر کے خود فنا ہو جائے۔ آدمی اچھا لباس پہننا ترک کر دے۔ پھٹا پرانا اور پیوند لگا لباس پہننا ہی زندگی کا اعلیٰ معیار قرار دے تو دنیا کے سارے کارخانے اور تمام چھوٹی بڑی فیکٹریاں بند ہو جائیں گی۔ اور لاکھوں کروڑوں لوگ بھوک زدہ ہو کر ہڈیوں کا پنجر بن جائیں گے۔

اللہ نے زمین کی کوکھ سے وسائل اس لئے نہیں نکالے ان کی بے قدری کی جائے۔ ان کو استعمال نہ کیا جائے۔ اگر روکھا سوکھا کھانا ہی زندگی کی معراج ہے تو بارشوں کی کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ زمین بنجر بن جائے گی۔ زمین کی زیبائش کے لئے اللہ نے رنگ رنگ کے پھولوں، پتوں، درختوں، پھلوں کوہساروں اور آبشاروں کو بنایا ہے۔

قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں:

www.ksars.org

زاہد کو چاہئے کہ اللہ کی دی ہوئی ہر نعمت کو خوش ہو کر استعمال کرے لیکن خود کو اس کا مالک نہ سمجھے۔ اللہ روکھی سوکھی دے تو اسے بھی خوش ہو کر کھائے اور اللہ مرغ پلاؤ دے تو اسے بھی خوش ہو کر کھائے۔ جب سب کچھ ہے تو اس سے پورا پورا فائدہ اٹھائیے۔ دروبست میں اللہ کو اپنا کفیل سمجھے اور ہر حال میں اللہ کا شکر گزار بندہ بنا رہے۔

KSARS
www.ksars.org

راکھ کا ڈھیر

خالق کائنات نے کہا۔ ''میں زمین پر اپنا نائب بنانے والا ہوں۔''

اللہ تعالیٰ کے حضور فرشتوں نے دست بستہ اپنی رائے کا اظہار کیا۔ ''یہ بندہ بشر زمین پر خون خرابے کی علامت بن جائے گا۔''

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی بات سن کر یہ نہیں فرمایا کہ یہ بندہ زمین پر فساد نہیں پھیلائے گا۔ ارشاد ہوا ''میں جو جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔'' اور آدم کو اپنی صفات کا علم سکھا دیا اور اپنے اس شاہکار کو پیش کر کے فرشتوں سے کہا ''بیان کرو تم اس کے مقابلے میں کتنا علم رکھتے ہو۔''

فرشتے عظمت و جلال سے لرز کر پکار اٹھے ''ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا علم ہمیں آپ نے سکھا دیا بیشک آپ علیم و حکیم ہیں۔ '' فرشتوں کے مطابق آدم فسادی اور فتنہ انگیز ہے لیکن اگر اسے علم الاسماء حاصل ہے تو وہ اللہ کا نائب ہے۔ باالفاظ دیگر اگر آدم زاد اللہ کا نائب نہیں تو یہ جیتا جاگتا شر و فساد ہے۔ شر اور فساد کا قدرتی نتیجہ اللہ سے دوری ہے اور اللہ سے دوری بندے کو خوف اور ملال میں مبتلا کر دیتی ہے۔ خوف زدہ انسان ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ وہ دوسروں کے مقابلے میں خود کو زیادہ باشعور، زیادہ عقل مند اور زیادہ طاقتور ثابت کرے۔ دو ہزار سال کے طویل عرصے میں خوف کا یہ جذبہ بتدریج بڑھتے بڑھتے ایک ایسا پہاڑ بن گیا ہے کہ اس کی وسعت کے سامنے زمین کی اپنی کوئی حیثیت باقی نہیں رہی۔ خوف سے نجات پانے کے لئے قوموں نے خود اپنی نوع کو برباد کرنے کے لئے ایسی ایسی اختراعات کیں کہ ان سے زمین کا کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ اور پھر اس زبوں کاری کا نام ترقی رکھ کر ساری انسانی آبادی کو اضطراب اور بے چینی میں مبتلا کر دیا۔ آدمی نے خود کو برتر ثابت کرنے کے لئے ایسے ایسے ہتھیار تیار کئے کہ دنیا چشم زدن میں بھک سے اڑ جائے گی۔ نوع انسانی کے ان دانشوروں نے جو بلا شبہ اللہ کے نائب نہیں ہیں نت نئے مہلک ہتھیاروں کی ایجاد سے اپنی پیشانیوں کو داغ دار بنا دیا ہے ترقی یافتہ قوم کے باشعور افراد کی رپورٹ سے پتا چلتا ہے کہ اس وقت دنیا میں چالیس ہزار ایٹم بم موجود ہیں۔ دیگر روایتی اسلحہ کا تو کوئی شمار و قطار ہی نہیں۔ یہ ترقی کس لئے ہو رہی ہے، کس کے خلاف یہ ہتھیار بنائے جا رہے ہیں۔ ان خوفناک ہتھیاروں کے استعمال سے کون تباہ ہو گا؟ کیا یہ خود اپنے گھر کو آگ لگانے کے مترادف نہیں ہے؟

زمین اللہ کی ملکیت ہے۔ زمین انسان کی فلاح و بہبود کا ایک گہوارہ ہے۔ زمین ہماری جنم بھومی ہے۔ زمین وہ ہے جس کی کوکھ سے قدرت ہمارے لئے وسائل پیدا کرتی ہے اور یہ زمین ہی ہے جس کے اوپر لہلہاتے باغ ہمارے لئے اللہ کی نعمتوں کے دستر خوان بن

www.ksars.org

گئے ہیں۔ہائے افسوس ! جس کوکھ میں ہم پرورش پا کر جوان ہوئے ہم ترقی کے نام پر اس کوکھ کو اجاڑ دینا چاہتے ہیں ! یہ کیسی ترقی ہے جس سے رنگ رنگ مناظر، سرو سمن، کوہ ودمن، لالہ وصحرا راکھ کا ڈھیر بن جائیں گے ! اور اس تباہی سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایسی کوئی طاقت ہمارے پاس ہو کہ برادری کا دوسرا گروہ ہمیں تباہ نہ کر سکے لیکن اپنی جگہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ جب کوئی چیز وجود میں آجاتی ہے تو اس کا استعمال لازمی ہو جاتا ہے یہ جو چالیس ہزار ایٹم بم اور نہیں معلوم کون کون سے بم وجود میں آچکے ہیں ایک روز ضرور پھٹیں گے۔اور دنیا ترقی کے جگمگاتے دھوکے سے آزاد ہو گئی تو زمین پر نہ شجر ہو گا، نہ حجر ہو گا اور نہ ہی خوف زدہ انسانوں کی ترقی کا کوئی ثمر ہو گا۔

خوف زدہ زندگی سے باہر آجایئے، پھر یہ بربادی کا سامان مہیا کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔اور زمین کی آغوش بھی ویران نہیں ہو گی جس کا ایک ایک ذرہ ہمارے لئے حیات ہے۔

*****

www.ksars.org

اڑن کھٹولے

زندگی اور زندگی سے متعلق جذبات واحساسات، واردات وکیفیات، تصورات وخیالات زندگی سے متعلق تمام دلچسپیاں اس وقت تک قائم ہیں جب تک سانس کی آمد ورفت جاری ہے۔ زندگی کا دارومدار سانس پر ہے۔ سانس کی طرزوں پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر ذی رُوح میں سانس کا نظام قائم ودائم ہے لیکن ہر نوع میں سانس کے وقفے متعین ہیں مثلاً یہ کہ اگر آدمی کے اندر سانس کے ذریعے دل کی حرکت متعینہ وقت میں 72 ہے تو بکری میں اس سے مختلف ہوگی۔ چیونٹی میں اس سے بالکل مختلف ہو گی ۔

کوئی ایسا آلہ ایجاد کر لیا جائے کہ جس میں درخت کے سانس کی پیائش ہوسکے اس کے سانس کی دھڑکن بولنے والی مخلوق سے مختلف ہوگی۔ اور اگر ہم کوئی ایسا آلہ ایجاد کر لیں جس سے پہاڑ کی نبض کی حرکت ریکارڈ کریں تو وہ درخت کے اندر کام کرنے والی نبض کی حرکت سے مختلف ہوگی۔ ہر شخص یہ جانتا ہے کہ ایک سانس آتا ہے، ایک سانس جاتا ہے یعنی ایک سانس اندر لیتے ہیں اور ایک سانس باہر نکالتے ہیں۔ یہ بات بھی ہم سب کے سامنے ہے کہ پرسکون حالت میں سانس میں ایک خاص قسم کا توازن ہوتا ہے۔ اس کے برعکس پریشانی، غم واضطراب میں سانس میں ایک خاص قسم کا توازن ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی آدمی ڈر جائے تو اس کے دل کی حرکت تیز اور بہت تیز ہو جاتی ہے۔ اگر غور کریں تو نظر آئے گا کہ دل کی حرکت کے ساتھ سانس کی حرکت بھی تیز ہو جاتی ہے، سانس کے دو رخ ہیں ایک رخ یہ ہے کہ ہم سانس اندر لیتے ہیں یعنی سانس کے ذریعے آکسیجن جذب کرتے ہیں اور دوسرا رخ یہ ہے کہ ہم سانس باہر نکالتے ہیں یعنی کاربن ڈائی آکسائیڈ خارج کرتے ہیں۔

یہاں پر بہت غور طلب نکتہ یہ ہے کہ جب ہم سانس لیتے ہیں تو کوئی چیز اندر جا کر جلتی ہے یعنی فضا میں جو آکسیجن پھیلی ہوئی ہے وہ سانس کے ذریعے اندر جا کر جلتی ہے، جس گاڑی کے اندر پٹرول جلتا ہے۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جلا ہوا فضلہ باہر نکل جاتا ہے۔ یہ سلسلہ پیدائش سے موت تک برقرار رہتا ہے۔ اب ہم اس کو رُوحانیت کی طرز پر بیان کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق ہر چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے۔ اور اللہ کی طرف ہی لوٹ جاتی ہے۔ ہم جب اندر سانس لیتے ہیں تو ہمارا رخ باطن INNER کی طرف ہوتا ہے۔ ہم جب سانس باہر نکالتے ہیں تو ہماری تمام دلچسپیاں دنیا، دنیا میں پھیلی ہوئی چیزوں اور اپنے گوشت پوست کے حواس کے ساتھ قائم رہتی ہے۔ حواس کے دو رخ ہیں۔ ایک رخ وہ ہے جو ہمیں زمان و مکان TIME AND SPACE میں قید کرتا ہے۔ دوسرا رخ وہ ہے جو ہمیں زمان و مکان سے آزاد کرتا ہے۔ نیند کی حالت میں ہمارے اوپر غالب رہتا ہے یعنی جب ہم سو جاتے ہیں تو ہمارے شعوری حواس کی نفی ہو جاتی ہے اور ہمارے اوپر سے

www.ksars.org

زمان و مکان TIME AND SPACE کی گرفت ٹوٹ جاتی ہے اور جب ہم بیدار ہوتے ہیں تو زمان و مکان TIME AND SPACE عارضی طور پر ہم سے الگ ہو جاتے ہیں۔اللہ تعالٰی کے ارشاد کے مطابق خواب اور بیداری زندگی کے دورخ ہیں۔یعنی انسان کی زندگی دورخ یادو حواس سے مرکب ہے۔ایک کانام دن یا بیداری ہے اور دوسرے کانام خواب یارات ہے۔رات کے حواس میں ہر ذی روح مخلوق TIME AND SPACE سے آزاد ہو جاتی ہے۔دن کے حواس میں ہر ذی روح مخلوق TIME AND SPACE کے حواس میں قید ہو جاتی ہے زندگی کا قیام سانس کے اوپر ہے اور سانس کے دورخ ہیں۔ایک رخ یہ ہے سانس ہم اندر لیتے ہیں اور دوسرا رخ یہ ہے کہ ہم سانس باہر نکالتے ہیں۔سانس کا اندر جانا ،ہمیں ہماری روح سے قریب کر دیتا ہے اور سانس کا باہر آنا ہمیں اس حواس سے قریب کرتا ہے جو حواس ہمیں رُوح کی معرفت سے دور کرتے ہیں۔جب ہم آنکھیں بند کر کے یا کھلی آنکھوں سے کسی طرف پوری یکسوئی کے ساتھ متوجہ ہوتے ہیں تو سانس اندر لینے کا وقفہ زیادہ ہو جاتا ہے یعنی ہماری شعوری توجہ روح کی طرف ہو جاتی ہے۔

تصوف کے اوپر اب تک جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں روحانی علوم کا تذکرہ تو کیا گیا ہے لیکن اس علم کو ایک اور ایک دو،اور دو اور دو چار کی طرح عام نہیں کیا گیا بہت سے رموز اور نکات بیان کئے گئے ہیں۔پھر بھی رموز اور نکات پردے میں اس لیے ہیں کہ ان رموز و نکات کو وہی حضرات سمجھ سکتے ہیں جو منزل رسیدہ ہیں۔یا جو حضرات راہ سلوک میں سفر کر چکے ہیں۔

ہمارے اسلاف نے یہ بھی فرمایا روحانی علوم چونکہ منتقل ہوتے ہیں اس لئے ان کو محفوظ رہنا چاہیے اور ان کی حفاظت کرنی چاہیے یہی وجہ ہے کہ ان علوم کا نام علمِ سینہ رکھ دیا گیا۔اسلاف نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ روحانی علوم حاصل ہونے کے بعد ان کے نتائج (مافوق الفطرت باتوں) کو چھپا لینا چاہئے ایسا کیوں ہوا؟؟ایک ہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ انسانوں کے اندر سوچنے سمجھنے اور علم حاصل کرنے کی صلاحیت اتنی نہیں تھی جتنی صلاحیت آج موجود ہے۔سائنس کے اس ترقی یافتہ دور سے پہلے دور دراز آوازوں کا پہنچنا کرامت سمجھا جاتا تھا۔لیکن آج سائنس دانوں نے آواز کا طول موج WAVE LENGTH دریافت کر لیا ہے۔ خیالات کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا بھی کرامت (مافوق الفطرت) بیان کیا جاتا ہے۔

آج کی دنیا میں ہزاروں میل کے فاصلے پر پوری کی پوری تصویر منتقل ہو جاتی ہے۔زیادہ عرصہ نہیں پچاس سال پہلے لوگوں سے یہ کہا جاتا تھا کہ آدمی روشنیوں کا بنا ہوا ہے تو لوگ مذاق اڑاتے تھے اور آج سائنس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ آدمی لہروں سے مرکب ہے نہ صرف انہوں نے یہ بات بتادی کہ آدمی لہروں سے مرکب ہے،وہ آدمی کی ایک جگہ سے گزرنے کے بعد بھی تصویر لیتے ہیں۔ پہلے زمانے میں دادی اور نانی بچوں کو اڑن کھٹولے کے قصے سنایا کرتی تھیں ایک اڑن کھٹولا تھا اس پر شہزادہ اور شہزادی بیٹھے اور اڑ گئے۔دادی اور نانی کے وہی اڑان کھٹولے آج ہمارے سامنے موجود ہیں۔نہ صرف یہ موجود ہیں ہم اس پر بیٹھ کر اپنی مرضی اور منشاء کے مطابق سفر کرتے ہیں۔

www.ksars.org

ان تمام مثالوں سے یہ بتایا مقصود ہے کہ سائنس کی ترقی سے پہلے نوع انسانی کی صلاحیت اتنی نہیں تھی کہ روحانی رموز نکات اس کی سمجھ میں آتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے بزرگوں اور اسلاف نے پہلے چند لوگوں کا انتخاب کیا پھر ان کو وہ علوم منتقل کر دیئے لیکن آج کے دور میں انسان کی دماغی صلاحیت اور سکت، فہم اور تفکر اتنا زیادہ طاقت ور ہے کہ جو چیزیں پہلے کشف و کرامات کے دائرے میں آتی تھیں آج وہی چیزیں انسان کی عام زندگی میں داخل ہیں۔ جیسے جیسے علوم سے انسان کی سکت بڑھ گئی بڑھتی گئی، شعور طاقتور ہو گیا۔ذہانت میں اضافہ ہوا۔ گہری باتوں کو سمجھنے اور جاننے کی سکت بڑھی۔

سائنس کی ترقی سے یہ بہت بڑا فائدہ ہوا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے شعور کی طاقت بڑھی اسی مناسبت سے آدمی کے اندر یقین کی طاقت کمزور ہوتی چلی گئی۔

یقین کی طاقت کمزور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اللہ سے دور ہو گیا اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ سائنس کی ترقی کا مطمح نظر زیادہ تر دنیاوی آرام و آسائش کا حصول ہے۔ چوں کہ دنیا خود بے یقینی کا سمبل SYMBOL اور فکشن FICTION ہے اور مفروضہ حواس کے علاوہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اس لئے یہ ترقی بھی ہمارے لئے عذاب بن گئی اگر اس ترقی کی بنیاد ظاہر اسباب کے ساتھ ماورائی صلاحیت ہوتی تو یقین کمزور ہونے کے بجائے طاقتور ہوتا. لیکن اس کے باوجود سائنسی علوم کے پھیلاؤ سے بہر حال اتنا زیادہ فائدہ ہوا ہے کہ ہمارے اندر ایسے علوم حاصل کرنے کی صلاحیت کا ذوق پیدا ہوا جو ہمیں روحانیت سے قریب کر تے ہیں۔

اب سے پچاس سال پہلے یا سو سال پہلے جو چیز پچاس، پچاس سو سو سال کی ریاضت سے حاصل ہوتی تھی اب وہی چیز ارادے یقین مستحکم ہونے سے چند مہینوں اور چند سالوں میں حاصل ہو جاتی ہے۔

*****

KSARS
www.ksars.org